بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۱ | ماہ فروری ۲۰۱۳ء مطابق ربیع الاول ۱۴۳۴ھ | شمارہ نمبر ۲

مدیر

خلیل الرحمان سجاد نعمانی

E-mail : llm.zlkr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۹
۳	رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کے چند خاص گوشے	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	۲۲
۴	دُعاء آنحضرت ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کا ایک اہم باب	شیخ فتح اللہ گولن	۳۸

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بعینہٖ .V.P ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے ۔ منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں ان مقامات نیز قرب وجوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بکڈپو طٰہٰ بکڈپو الطاف بکڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086 +91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زر تعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زر تعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی -/Rs.230

[1] اس صورت میں پہلے سے زر تعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے، مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ :
Mr. RAZIUR RAHMAN
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۱۱۴/۳۱، نظیر آباد لکھنؤ۔
پن-۲۲۶۰۱۸-یوپی، انڈیا- فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک
اتوار کو آفس بند رہتا ہے۔۔۔۔۔

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر پبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱/۱۱۴ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

——— مدیر

۱۶/دسمبر 2012 کی رات دہلی میں ایک دردناک واقعہ پیش آیا، ایک لڑکی اپنے دوست لڑکے کے ساتھ سڑک کے کنارے کسی بس کے انتظار میں کھڑی تھی، ایک بس آ کر رکی، کنڈکٹر نے ان دونوں سے پوچھا کہاں جانا ہے؟ انھوں نے جگہ بتائی، جواب ملا کہ ''بیٹھ جاؤ! بس وہیں جارہی ہے''۔ وہ دونوں سوار ہوگئے، بس چل دی، بس میں چند لوگ تھے جو سب کے سب نشے میں چور تھے، انھوں نے اس لڑکی کے ساتھ دست درازی شروع کردی، اس کے دوست نے مزاحمت کی کوشش کی تو دو لوگ اس کی پٹائی میں لگ گئے، پھر باری باری ان سب نے جن کی تعداد ۶ بتائی جاتی ہے اس لڑکی کی آبروریزی کی، اور دونوں کو مار مار کر ادھ مرا کر کے کسی جگہ بس سے پھینک دیا۔ لڑکی کا حال تو بہت زیادہ خراب تھا۔ جس نے کئی دنوں تک زندگی اور موت کی کشمکش کے بعد بالآخر دم توڑ دیا———

اس طرح کے شرمناک واقعات آج کل کے جاہلی معاشرے میں بے شمار ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس واقعہ نے کچھ ایسی نوعیت اختیار کرلی کہ پورے ملک میں کئی ہفتے تک ہر طرف سے اس پر سخت غم وغصہ کا اظہار کیا جاتا رہا——— دہلی میں نوجوان طلبہ وطالبات نے سخت سرد موسم کے باوجود شدید احتجاج کا سلسلہ جاری رکھا جو دوسرے بڑے شہروں تک پھیلتا چلا گیا۔ مذہبی رہنما، سماجی کارکن، غیر سرکاری تنظیموں، سیاسی لیڈران، خواتین کی تنظیمیں سب کی سب اِس مسئلہ پر اپنا ردعمل ظاہر کررہی تھیں——— ایک آواز سب سے زیادہ زور وشور سے سنائی دے رہی تھی اور وہ تھی کہ اِن مجرموں کو برسرعام پھانسی پہ لٹکایا جائے، اور زنا بالجبر کے ہر مجرم کو تیز رفتار عدالت میں مقدمہ کی کارروائی پوری کرکے (لازماً) سزائے موت دی جائے———

اس کے علاوہ بھانت بھانت کی باتیں اِس عرصہ میں مختلف لوگوں نے کیں، اوران پر اتنے ہی قسم قسم کے ردعمل سامنے آئے ——— مثال کے طور پر

ایک سرکردہ ہندو مذہبی رہنما ''آشارام باپو'' نے کہا:

''اس لڑکی کو اس وقت بھگوان کا نام لینا چاہئے تھا، اور اِن حملہ آوروں کو اپنا بھائی کہہ کر ان سے رحم کی بھیک مانگنی چاہئے تھی۔''

انگریزی پریس میں اس بیان پر سخت الفاظ میں مذمت کی گئی۔ مثلاً:

ہندوستان ٹائمز 9 رجنوری ۲۰۱۳ کے اداریہ کی سرخی تھی:

In godmen we don't trust

Asaram Bapu must be punished for propagating harmiul and ridiculous notias obout women

(اِن مذہبی رہنماؤں پر ہمارا ایمان نہیں ——— عورتوں کے بارے میں نقصان دہ اور واہیات بکواس کے لئے آشارام باپو کو سزا دی جانی چاہئے)

آر ایس ایس کے سربراہ موہن بھاگوت نے کہا:

''عصمت دری کے واقعات انڈیا میں زیادہ اور بھارت میں کم ہوتے ہیں یعنی بڑے شہروں میں زیادہ اور گاؤں دیہات میں کم ہوتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ سخت قانون کے علاوہ خواتین کے تعلق سے نظریے میں بھی تبدیلی کی ضرورت ہے ——— بھاگوت کے اس بیان پر بھی خواتین کی تنظیموں اور قومی خواتین کمیشن نے نیز انگریزی پریس نے منفی ردعمل کا اظہار کیا۔

دہلی کی ایک خاتون نے ''فیس بک'' پر اپنے میسج پر پورے ملک میں ''عورت بند'' کا نعرہ دیا ——— انھوں نے کہا کہ ۲۶ رد سمبر کو ملک کی تمام عورتیں مکمل ہڑتال کریں، یعنی نہ دفتر جائیں، نہ گھر کا کوئی کام کریں، نہ بازار جا کر خریداری کریں، نہ دوا علاج کریں، میں بھارت بند کی نہیں عورت بند کی کال دے رہی ہوں'' (روزنامہ اخبار DNA، ۲۱ دسمبر 2012)

انٹرنیٹ پر شائع ہونے والے ایک میگزین (جو خواتین کے مسائل ہی کے لئے مخصوص ہے) کا

کہنا ہے کہ ہر سال ۳/ جنوری کو ہم ''کالا دیوس'' (یومِ سیاہ) کے طور پر منایا کریں گے، ''یاد رہے کہ اسی دن عدالت میں اس کیس کے ملزموں خلاف عدالت میں چارج شیٹ داخل کرے گی''

ایک عدالت کے جج نے اس واقعے کے اس حصہ پر اپنی حیرت کا اظہار کیا کہ:

''۴۰ منٹ تک یہ بس سڑک پر چلتی رہی اور پولس کچھ نہ سمجھ سکی.....''، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار DNA کی ایک کالم نگار نے لکھا: ''جج صاحب نے بڑی عجیب بات فرمائی ہے کہ کوئی بس ۴۰ منٹ تک سڑک پر چلتی رہے تو پولس کو اسے ضرور شک کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے، یہ بھی کیسی لغو بات ہے!!''

یکم جنوری ۲۰۱۳ کے ٹائمز آف انڈیا بمبئی نے پہلے صفحہ پر یہ خبر شائع کی کہ

''دہلی پولیس کے بیان کے مطابق اس حادثہ کے دو دن کے اندر اندر دہلی کی ہزاروں عورتوں کی طرف سے اسلحہ کے لائسنس کی درخواستیں موصول ہوئی ہیں ——— جن میں کالج جانے والی طالبات بھی شامل ہیں۔''

مرکزی حکومت کی وزارت داخلہ نے صوبوں کے چیف سکریٹریز اور پولس کے اعلیٰ ترین عہدہ داروں کی ایک میٹنگ عورتوں سے متعلق جرائم کی سزاؤں کے بارے میں غور کرنے کے مقصد سے طلب کی، جس میں دو صوبوں کی طرف سے یہ تجویز آئی کہ ''زنا بالجبر کے مجرم کو سزائے موت دی جائے'' ——— تاہم اتفاق اسی پر ہو سکا کہ ''عمر قید بلا پیرول'' کی سزا مقرر کی جائے ———

چونکہ ملک کا قانون یہ کہتا ہے کہ ۱۸ سال سے کم عمر کا کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس پر مقدمہ عام عدالت میں نہیں چلایا جائے گا، بلکہ اس کے لئے قائم کردہ مخصوص عدالت ہی میں مقدمہ چلایا جائے گا، اور اگر عدالت نے اسے سزا سنائی تو اسے جیل کے بجائے نابالغوں کے لئے مخصوص حفاظتی گھر میں بھیجا جائے گا ——— اور اب چونکہ دہلی کے اس حادثہ کے مجرموں میں ایک شخص جس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ سب سے زیادہ وحشیانہ حرکتیں اسی نے کی تھیں، ۱۸ سال سے کم کا بتایا جا رہا ہے، اس لئے اس قانون میں بھی تبدیلی کی آوازیں پورے ملک میں زور و شور سے اٹھی تھیں، چنانچہ مذکورہ میٹنگ میں اس بارے میں یہ طے کیا گیا کہ قانون میں صرف اتنی تبدلی کی جائے گی کہ ۱۵ سال سے زیادہ کا کوئی شخص اگر زنا بالجبر جیسے کسی وحشیانہ جرم کا مرتکب پایا جاتا ہے تو اسے بالغ سمجھ کر عام عدالت ہی میں اس پر مقدمہ چلایا جائے گا۔

اس شرمناک واقعہ کے کچھ اور بھی پہلو ہیں، جن کا اپنے معاشرے کی حالتِ زار کو سمجھنے کے لئے اسی مقام پر تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے ——— ظلم و درندگی کا شکار ہونے والی لڑکی کے ساتھ اس کا جو دوست تھا اس نے حادثہ کے کئی دن بعد ایک ٹی وی چینل پر آکر یہ بیان دیا تھا کہ

''ہم نے اس شام انسانیت اور پولس کا بدترین چہرہ دیکھا ——— بس سے پھینکنے کے بعد ان لوگوں نے اس کی کوشش بھی کی کہ بس ہم پر سے گذار کر ہمیں ہلاک ہی کر ڈالیں..... اس کے علاوہ پٹرولنگ کرنے والی پولس کی تین گاڑیاں ہمارے پاس آئیں، ہمیں دیکھا مگر وہ آپس میں یہی بحث کرتے رہے کہ یہ علاقہ کس کے حلقے میں آتا ہے؟ راہ گیروں میں سے بھی کوئی ہماری مدد کو نہیں آیا ——— مجھے اسپتال لے جانے کے بجائے ۴ دن تک پولس اسٹیشن ہی میں رکھا گیا ——— اور حد یہ ہے کہ میری دوست جو اسپتال میں تھی اور سخت تکلیف کے عالم میں موت سے لڑ رہی تھی، اس سے بیان لینے کے لئے جو خاتون مجسٹریٹ آئی تھی اس نے بھی بے حد بدتمیزی اور جارحانہ انداز سے اس سے بات کی تھی۔

اس واقعہ اور اس پر سامنے آنے والے ردعمل کا جو تذکرہ ہم نے سطور بالا میں کیا ہے وہ صرف یہ عرض کرنے کے لئے کیا ہے کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم کس طرح کے سماج میں جی رہے ہیں؟ انسانی قدروں سے دوری، اخلاقی اصولوں کی پابندی، اور قانون کی حکمرانی، ہر اعتبار سے ہم کس پستی تک گر چکے ہیں ——— نیز اس سے بھی زیادہ دکھ اور تشویش کی بات یہ ہے کہ بڑے سے بڑے دانشوروں اور عقلاء کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اس صورت حال کی اصل وجوہات کیا ہیں؟ اور اپنے سماج کو، خصوصاً اپنی ماؤں، بہنوں اور بچیوں کو اس قسم کے وحشیانہ حملوں سے بچانے اور معاشرے کو ان مہلک بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہمیں کیا کیا کرنا چاہئے اور اس سے بھی زیادہ فکر کی بات یہ ہے کہ سرزمین ہند میں ہم مسلمانوں، ہمارے بے شمار تعلیمی اداروں، مساجد اور دعوتی مراکز کے باوجود اس سلگتی ہوئی صورت حال میں بھی کوئی ایسی آواز نہیں اٹھ پاتی جو ملک کے باشعور افراد اور بے چین و مضطرب قوم تک پہنچے، اور ہمدردانہ لب ولہجہ میں قوم کو بتائے کہ اِن مسائل کا حل کیا ہے؟

جس طرح کا ماحول اس واقعہ کے بعد پورے ملک میں بنتا ہوا نظر آیا اس نے اس سلسلہ میں ایک مسلم ہندوستانی ہونے کے ناطے اپنی ذمے داریوں اور ان کی ادائیگی کے لحاظ سے اپنی ناکامی کا احساس تازہ کر دیا ——— اگر ہم دعوتی شعور سے بہرہ ور ہوتے اور اپنے وسائل اور صلاحیتوں کا بہتر استعمال کرتے ہوتے تو اِس طرح کے مواقع پر اپنے معاشرے کی بہت مفید خدمت کر سکتے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی قوم سے، خاص کر اس کے سمجھدار اور باشعور طبقے سے پورے خلوص اور محبت کے ساتھ اور پوری صراحت کے ساتھ کہیں کہ:

اے میری قوم کے لوگو! تم کو اس کا تو پورا حق ہے کہ تم اپنے گھر کے آگن میں آم کا درخت لگاؤ یا نیم کا، لیکن تم یہ نہیں کر سکتے کہ لگاؤ تو نیم کا درخت اور امید یہ کرو کہ اس سے آم کے میٹھے پھل برآمد ہوں گے ——— خدارا سوچو کہ تم نے اپنے ملک میں نیم کا درخت لگایا ہے یا آم کا؟

تم نے شخصی آزادی کا وہ مبالغہ آمیز اور غیر معتدل تصور قبول کر لیا ہے جو اٹھارویں صدی میں اُس نظام تمدن کے خلاف بغاوت کی وجہ سے قائم ہوا تھا، جس میں طرح طرح کی جکڑ بندیاں تھیں، جو غیر معقول رواجوں، عقل وفطرت کے خلاف صریح تناقضات سے بھرا ہوا تھا، جس میں ایک طرف نئی عقلی وعملی بیداری متوسط طبقے میں آگے بڑھنے کا جوش وجذبہ پیدا کر رہی تھی، اور دوسری طرف امراء وپیشوایان مذہب کا طبقہ ان کے اوپر بیٹھا ہوا جکڑ بندیاں سخت سے سخت کرنے میں لگا ہوا تھا ——— اسی انتہا پسندانہ طرز تمدن کے ردعمل میں شخصی آزادی کا ایک ایسا انتہا پسندانہ نظریہ مقبول عام ہوا جس کا مقصد سوسائٹی کے مقابلہ میں فرد کو مکمل آزادی عطا کر دینا تھا، کہا جانے لگا کہ مرد ہو یا عورت ہر فرد کو اپنی مرضی کے مطابق ہر وہ کام کرنے کا حق ہونا چاہئے جو اسے پسند آئے اور ہر اس کام سے باز رہنے کی آزادی ہونی چاہئے جو اسے اچھی نہ لگے، سوسائٹی کو اس کی انفرادی آزادی چھین لینے کا کوئی حق نہیں۔

اس شخصی آزادی کا یہی تصور ہے جس کی وجہ سے آج کے نوجوان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ عصمت کیا بلا ہے؟ جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے شادی کے بندھن میں بندھنا کیوں ضروری ہے؟ اسی تصور کی وجہ سے فرد کو ہر ممکن طریقہ سے دولت کمانے کی اجازت دے دی گئی، چاہے سوسائٹی پر اس کے کاروبار کے کیسے ہی مہلک اثرات مرتب ہوں۔ چنانچہ اسی تصور کی وجہ سے کوئی اپنی جیب بھرنے کے لئے پوری انسانی آبادی کو شراب اور منشیات کا عادی بنا دیتا ہے، کوئی سود کا جال بچھا دیتا ہے، کوئی سٹے اور قمار کو اپنی جیب

بھرنے کا ذریعہ بناتا ہے ——— کوئی عورت کو زیادہ سے زیادہ برہنہ اور ہیجان انگیز صورت میں منظر عام پر لاکر اور طرح طرح سے مردوں کی جنسی خواہش کو بھڑکا کر سوسائٹی کو ہر اعتبار سے لوٹتا ہے۔ اور کوئی ننگی فلموں، فحش مضامین کی اشاعت کو کمانے کا ذریعہ بنا کر عوام کو اخلاقی کوڑھ میں مبتلا کرتا ہے۔

ایک واقعہ پر، جو یقیناً نہایت دردناک اور سخت غم انگیز اور قابل مذمت ہے، تم جو اتنا شور مچا رہے ہو، کیوں نہیں سوچتے کہ اس ماحول میں جہاں ہر طرف ننگا پن اور عریانیت ہو، جہاں بچہ بچہ موبائل میں فحش فلمیں دیکھتا رہتا ہو، جہاں عریاں تصویروں اور آبرو باختہ عورتوں کی شبیہیں ہر اخبار، ہر رسالے ہر گھر اور ہر دوکان کی زینت بن رہی ہیں، جہاں ہر لڑکی اور لڑکے کی نگاہ میں فلمی اداکار ''اسوۂ حسنہ'' بن جاتے ہیں، جہاں جوانوں کے دل و دماغ پر عشق و رومان ہی کے خیالات چھائے رہتے ہیں، اور لڑکیاں اور عورتیں صنفی مقناطیس بنے رہنا چاہتی ہیں۔ جہاں اسکول، کالج، یونیورسٹیاں ایسے نوجوان تیار کر رہی ہیں جن کی اکثریت پاکیزہ روحانی و اخلاقی قدروں سے بالکل ہی تہی دامن ہے،..... تو اس ماحول میں اِس قسم کے واقعات نہیں ہوں گے تو پھر اور کیا ہوگا؟ ہوش کے ناخن لو، صرف مردوں اور صرف عورتوں کو الزام مت دو، صرف چند لوگوں کو پھانسی پر چڑھا دینے سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ (یقیناً ان لوگوں کو سزا ملنی چاہئے، لیکن صرف یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے،) مسئلہ کا حل تو یہ ہے کہ پورے تمدن اور پورے معاشرے کی از سرِ نو تنظیم و تشکیل کی جائے اور اس طرزِ تمدن کو اپنایا جائے جو واقعۃً فطری اور معتدل ہے اور جس میں مرد و عورت اور فرد و جماعت سب کے حقوق و فرائض کا پورے توازن اور حقیقت پسندی کے ساتھ لحاظ رکھا گیا ہے۔

یہ ہے وہ پیغام جس کا پہنچانا اور جس کو ممکن حد تک برت کر دکھانا ہمارے ذمہ ہے ——— خدا کرے کہ ہم آنے والے دنوں میں اس پیغام کو اپنی قوم تک پہنچانے میں کامیاب ہوں۔ ضرورت ہے کہ مدارس و مساجد سے وابستہ وہ خوش نصیب اور باتوفیق لوگ جو بے حیائی و فحاشی کے اس طوفان نوح میں بھی اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس سے بچا کر رکھنے میں کامیاب رہے ہیں، اور جو پاکیزہ اخلاقی قدروں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں وہ اب قوم کو براہ راست مخاطب کریں ——— کاش کہ اس ماہ ربیع الاول میں یہی پیغام گلی گلی گونجتا اور یہ مہینہ ملک کو ایک واضح پیغام دینے کے بعد ہی رخصت ہوتا، کاش اور ہزار بار کاش!!!

☆☆☆

محفل (۱۲۳) سورۃ المائدۃ (۱)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ

سُوْرَۃُ الْمَائِدَۃ

تمھارا دین مکمّل ہوا، نعمت تم پر تمام کردی گئی

اب کسی شئے اور کسی شخص کو احکامِ حق کے آگے خاطر میں نہ لاؤ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ② حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَي النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ

دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳

ترجمہ

اے ایمان والو، عہد پورے کرو۔ حلال تمہارے لئے کئے گئے ہیں مویشی قسم کے تمام چوپائے ،سوائے ان کے جن کا ذکر آگے کیا جاتا ہے۔ ہاں حالتِ احرام میں (ان کا) شکار جائز نہ جانو۔ اللہ حکم دیتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے (۱) اے ایمان والو بے حرمتی اللہ (کے دین) کی نشانیوں کی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینوں کی، اور نہ (حرم میں) قربانی والے جانوروں کی، نہ گلے میں پٹّے پڑے ہوئے جانوروں کی اور نہ بیت الحرام کا قصد کئے ہوئے جانے والوں کی، جو طلب میں اپنے پروردگار کے فضل اور رضا کے ہیں۔ اور جب تم احرام سے نکل آؤ تو پھر شکار کرلو۔ اور کسی قوم سے یہ دشمنی کہ انھوں نے تمھیں مسجدِ حرام سے روکا تھا تمھیں حد سے گزر جانے پر آمادہ نہ کرے۔ ایک دوسرے سے تعاون تم کرو نیکی اور تقویٰ میں، لیکن مت تعاون کرنے والے بنو گناہ اور تعدّی میں۔ اور (دیکھو) اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (۲)

حرام تم پر کئے گئے ہیں مُردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام بولا گیا ہو۔ اور گلا گھٹنے سے مرا ہوا جانور، اور جو کسی چوٹ سے مر گیا ہو، اور جو اونچے سے گر کر مرا ہو، اور جو کسی کے سینگ سے زخمی ہو کر مرا ہو اور جس کو کسی درندے نے کھایا ہو، سوائے اس کے جسے تم ذبح کرلو۔ اور وہ جانور جو استھانوں پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ کہ تم تقسیم کرو (گوشت) تیروں سے (قرعہ ڈال کر)۔ یہ گناہ کے کام ہیں۔ (جان لو کہ) آج کافر تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں پس ان سے نہ ڈرو مجھی سے ڈرو۔ آج تمہارے لئے تمہارا دین کامل میں نے کر دیا ہے اور اپنی نعمت تمام تم پر کر دی ہے اور تمہارے لئے دین کے طور پر اسلام کو پسند فرما لیا ہے۔ پس جو کوئی بھوک سے مجبور ہو کر (حرام چیز کھالے) بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف راغب ہوا ہو، تو اللہ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے (۳)

قرآن کی پانچویں سورہ، المائدہ

اس سورہ کا مزاج اوراس کی ترکیب بالکل وہی ہے جواس سے سابق سورہ النسآء کی تھی۔ کچھ احکام کے بیان سے شروعات ہوئی ہے اور پھر اہلِ کتاب اور منافقین پر گفتگو کا وہی سلسلہ قائم ہوا اور اختتام تک چلا گیا ہے جو البقرہ سے شروع ہوکر النسآء تک چلا آیا تھا۔ گویا ان پانچ سورتوں میں اہلِ کتاب پر ہر جہت سے گفتگو کے ذریعہ حجت تمام کردی گئی ہے جو اسلام کے مدنی دور کا ایک طبعی اور اہم تقاضہ تھا، کہ مدینہ ان اہلِ کتاب کا بھی مسکن تھا۔ یہ پانچوں ہی سورتیں اس مدنی دور کی ہیں۔ المائدہ کی جداگانہ خصوصیت ان سورتوں میں یہ ہے کہ یہ مدنی عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری ایام کی ہے۔ بلکہ صحیح روایات کے مطابق حجۃ الوداع (۱۰ھ) کے سفر میں نازل ہوئی۔ یعنی اس کا ایک حصہ، نہ کہ پوری سورت۔ جیسا کہ آگے مذکورہ بالا آیتوں ہی کی تشریح کے ضمن میں خود واضح ہوجاتا ہے۔ قرطبیؒ نے اس بارے میں صراحۃً لکھا بھی ہے کہ "روی انها نزلت منصرف رسول الله من الحديبيه... ومن هذه السورة ما نزل في حجة الوداع ومنها ما انزل عام الفتح وهو قوله لا يجرمنكم شنآن قوم۔ ونحوه قال ابن عطية في المحرر الوجيز۔

سورہ کا حرفِ آغاز

سورۂ نسآء میں کچھ احکام (خاص طور سے عورتوں کے حقوق اور میراث کے مسائل سے متعلق) گزرے تھے۔ اس سورہ کا آغاز بھی کچھ احکام ہی سے ہورہا ہے۔ بلکہ یہ احکام کے سلسلہ کی آخری سورہ ہے، اور اسی مفہوم میں اس میں تکمیلِ دین کا اعلان ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے اس کو نزولِ قرآن کے آخری زمانے کی سورہ بتاتے ہوئے فرمایا: فَاَحِلُّوا حلالها وَحرِّموا حرامها (یعنی جو چیز اس میں حلال بتائی گئی اسے حلال ہی جانو اور جو حرام بتادی گئی وہ سدا کو حرام ہی ہے۔ روح المعانی) حضرت عائشہؓ سے روایت آئی ہے کہ یہ آخری سورہ ہے جو نازل ہوئی پس اس میں جو حلال ہے اسے حلال رکھو اور جو حرام ہے اسے حرام۔ (ابنِ کثیر) پس برمحل تھا کہ اس سورہ کا آغاز اہلِ ایمان کو احکامِ الٰہی کے سلسلہ میں ان کی ایمانی ذمہ داری یاد دلانے سے ہو۔ ارشاد ہوا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (اے ایمان والو اپنے عہد پورے کرو)۔ عقود جمع ہے عقد کی۔ جس کے لغوی معنی تو بندھن باندھنے کے ہیں مگر یہی بندھن معنوی مفہوم میں ہر عہد و معاہدہ میں بھی پایا جاتا ہے، جیسے عقدِ نکاح۔ پس یہاں یہ لفظ اسی عہد و معاہدہ کے مفہوم میں ہے۔ تاکید ہورہی ہے کہ ایمان والو اللہ سے اپنے ایمانی عہدوں کے تقاضے

پورے کرنے میں کوتاہی کو راہ نہ دو۔ اور آگے چل کر جب سورہ کی وہ آیات سامنے آتی ہیں جن میں ارشاد ہوا ہے کہ ''ہم نے دین کی نعمت اب تم پر مکمل کر دی'' نیز اور آگے بڑھ کر اہلِ کتاب کا جو عبرتناک حال اس عہد و میثاق کے معاملے میں اور پھر نتیجہ میں ان کی سیاہ بختیوں کا تذکرہ پڑھنے میں آتا ہے تو اس تاکیدی ارشاد کی معنویت و مناسبت وسیع تر معنیٰ میں کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

غذائی جانوروں کی حِلّت وحرمت

احکام کا بیان غذائی جانوروں کی حلّت وحرمت کے مسائل سے ہوا ہے۔ فرمایا گیا: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ۔۔۔۔ (تمہارے لئے مویشی قسم کے (سبھی) جانور حلال کئے گئے ہیں سوائے ان کے جن کو آگے بیان کیا جاتا ہے)۔ اَنعام مویشیوں کے لئے 'نَعم' کی جمع کا صیغہ ہے۔ یہ پالتو چوپایوں کے لئے آتا ہے۔ اس سے پہلے بَهِيمَه کا لفظ ہے جو سب چوپایوں کے لئے عام ہے، وہ گھریلو مویشی ہوں یا ان ہی جیسے وحشی وجنگلی چوپائے۔ پس بهيمةُ الانعام کا مطلب ہوا مویشیوں کی جنس کے چوپائے۔ یعنی جیسے مویشی حلال تھے (جن کا ذکر اس سے آگے کی سورت الا نعام میں آتا ہے جو مکی دور کی، یعنی نزول میں اس سے کافی پہلے کی سورت ہے۔) ایسے ہی مویشیوں جیسے وحشی چوپائے (جنگلی بکرے، نیل گائے، ہرن وغیرہ) بھی اس حلّت میں شامل ہیں۔

حِلّت کا یہ فقرہ دراصل تمہید ہے آگے بیان میں آنے والے تحریمی اور امتناعی احکام کی، کہ اصلاً ان کا بیان ہی مقصود ہے۔ اور ان ہی کے لئے (یا پھر فرائض وواجبات کے لئے) کہنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ عہد و میثاق پورے کرو، کہ یہی (ممنوع یا فرض واجب) وہ معاملات ہیں جہاں نفس کو آزمائش پیش آسکتی ہے، نہ کہ وہ چیزیں جو حلال ومباح بتائی جائیں۔ آگے ان محرمات ہی کی تفصیل (تیسری آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ۔۔۔ میں) آرہی ہے۔

حالتِ احرام ہو تو حلال جانوروں کا شکار حرام

مویشیوں کی قسم کے یہ جانور جن کی حلّت بتائی جارہی ہے اُن تک آدمی کا ہاتھ شکاری تدبیروں کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ اسی لئے آگے شکار ہی کے حوالہ سے آیا ہے کہ حج وعمرہ کے احرام کی حالت میں ان کا شکار جائز رکھنے والوں میں نہ ہونا۔ (غَيْرَ مُحِلِّي الصيدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ)۔ یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں۔ ایک حرم شریف کے حدود میں شکار۔ ایک حالتِ احرام میں شکار۔ حرم شریف کے حدود میں تو کسی وقت اور کسی

حالت میں بھی شکار جائز نہیں۔لیکن آدمی احرام باندھے ہوئے ہوتو حرم کے حدود ہی میں نہیں اس کے باہر بھی شکار اس کے لئے ممنوع ہے۔یہ حالتِ احرام کی حرمت کا تقاضہ ہے۔آیت کے الفاظ میں اسی دوسری صورت کا حکم بیان ہوا ہے۔

آگے ایک جملہ اسی آیت میں ارشاد ہوا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (اللہ جو چاہے حکم دیتا ہے۔) یعنی اس کا بے قید وشرط مطلق اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے۔اس میں کسی کو چون وچرا کی اور حکمت وعلت دریافت کرنے کی گنجائش نہیں۔یہ اپنی جگہ ایک حقیقتِ واقعی ہے۔پر یہاں اس کی یاددہانی بظاہر شکاری ذوق والے کی اس طبعی اُکساہٹ کے پیش نظر ہے جو شکار دیکھ کر اسے لاحق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، جبکہ اُس کے ہاتھ میں ہتھیار بھی ہو۔پس یہ اس کی اُکساہٹ والی بیچینی کو سرد کرنے کی حکمت ہوسکتی ہے۔

اس کے ماسوا اور بھی کئی جہتیں یہاں اس کی مناسبت کی نظر آتی ہیں۔(۱) بیان کھانے پینے کے معاملات میں حلت وحرمت کا ہورہا ہے۔اور کھانے پینے کے معاملات کا تعلق ان دو چیزوں (بطن وفرج) میں سے ایک سے ہے جن میں انسان طبعاً بہت کمزور ثابت ہوا ہے۔پس کوئی دیرینہ عادت اس کی طبیعت میں کسی تردد کا باعث اس پابندی پر بن سکتی تھی، لہٰذا یاد دلا دیا گیا کہ اس کا فریضہ بے چون وچرا اطاعت ہے (۲) ممنوعات ومحرمات کی فہرست میں آگے شعائر اللہ (نشاناتِ خداوندی) بھی آرہے ہیں۔(یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ ---) اور ان کی آمد کی آہٹ تو "غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ" (حالتِ احرام میں شکار کی مانعت) ہی سے مل رہی تھی۔تو تنہا ان ہی کی حرمت کے لحاظ کا معاملہ بلا شبہ ایسا تھا کہ ''ہوشیار! خبردار!'' کی آواز دے دی جائے۔(۳) اور مزید ایک حکم اسی ضمن میں جو ان الفاظ سے آرہا ہے: "وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ ---" جو اُن کفارِ قریش کے خلاف جذبۂ انتقام کو بروئے کار نہ آنے دینے کا حکم ہے جنھوں نے مدت تک بیت اللہ کی راہ مسلمانوں پر بند کر رکھی تھی، یہ حکم بجائے خود کچھ کم تقاضہ اس یاددہانی کا نہ رکھتا تھا۔جذبۂ انتقام کو لگام دینا کوئی آسان بات تو نہیں ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

شعائر اللہ اور ان کا احترام

اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ ما یُرید کے بعد ارشاد اہلِ ایمان کو ہوا ہے: "لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ---" اے ایمان والو شعائر اللہ (نشاناتِ خداوندی) کی بے حرمتی کا ارتکاب نہ کر لینا۔ان کی حرمت کا ہر دم خیال رہے۔یہ ارشاد حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت ہی کے تسلسل میں ہے، کہ وہ حکم بھی ازقبیلِ احترامِ شعائر

اللہ ہی تھا۔ شعائر، شعور سے شعیرہ کی جمع ہے۔ معنیٰ نشان وعلامت۔ اسی سے ''شعائرِ اسلام'' ہے، یعنی وہ چیزیں جو اسلام کی پہچان بن گئی ہیں۔ اور ''شعائر اللہ'' کہیئے، تو اللہ کے دین کی نشانیاں۔ وہ چاہے دین کی پہچان بن جانے والے احکام ہوں یا احکام کی بجا آوری سے تعلق رکھنے والی چیزیں۔ یہاں موقع کی مناسبت بتاتی ہے کہ لفظ دوسرے مفہوم میں ہے۔ اور اس مفہوم میں یہ شعائر وہ چیزیں تھیں جو اعمالِ حج وعمرہ کی ادائیگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی مفہوم میں سورۂ بقرہ میں گزرا اِنَّ الصَّفا وَالْمروۃَ مِنْ شعائِرِ اللہ۔ (صفا و مروہ پہاڑیاں نشاناتِ خداوندی میں سے ہیں۔) الغرض اس حکم ''لا تُحِلّوا شَعائِرَ اللہ'' میں وہ تمام چیزیں آگئیں جو اس موقع پر لفظِ شعائر کا مصداق ہوں گی۔ مگر ان میں جہاں وہ تھیں جن کا نام لینے کی ضرورت نہ تھی، جیسے خود بیت اللہ وہاں کچھ ایسی بھی تھیں کہ ان کا تقدّس ایسا ظاہر وباہر یا ناقابلِ فراموش نہ ہو۔ پس ان کا نام لیکر بھی گنا دیا گیا ہے کہ یہ سب اسی محترم زمرہ کی چیزیں ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے فرمایا: ولا الشَّھرَ الْحرامَ اور نہ بے حرمتی کرو محترم مہینوں کی۔ ان کا ذکر بھی سورہ بقرہ میں آچکا ہے۔ یہ چار مہینے ہیں (ذیقعد، ذی الحج، محرم اور رجب) جن کا حج اور عمرہ کے موسم سے تعلق تھا۔ اور ان عبادتوں کی بے خطر ادائیگی کے لئے ضروری تھا کہ انھیں امن کے مہینے ٹھیرایا جائے، جدال وقتال حرام ہو۔ اِلّا یہ کہ مدافعت میں تلوار اٹھانی پڑے۔ پھر ارشاد ہوا: وَلَا الْھَدْیَ وَالْقلائدَ وَلَآ آمِّینَ البَیْتَ الْحرامَ (اور نہ بے حرمتی کرو حرم میں قربانی کے لئے لیجائے جانے والے جانوروں کی۔ نہ پٹہ پہنائے گئے جانوروں کی اور نہ عازمینِ بیت اللہ الحرام کی۔ ''ہدی'' کا لفظ ہدیہ کے مفہوم میں ہے، کہ یہ جانور بطورِ ہدیہ ہیں دربارِ الٰہی کے لئے۔ قلائد قلادہ کی جمع ہے گردن کا پٹہ۔ بہت سے لوگ ان جانوروں کی ہدیہ والی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لئے ان کے گلے میں پٹے ڈالدیا کرتے تھے۔ پس یہی قربانی کے جانور اس لفظ سے بھی مراد ہیں۔ اور ان کا بطورِ خاص الگ ذکر ان کی خصوصی پہچان کی وجہ سے فرمایا گیا معلوم ہوتا ہے۔

آخر میں اُن لوگوں کے حقِ احترام کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جو یہ ہدی وغیرہ لئے ہوئے عازمِ بیت اللہ ہیں۔ ان کے واجب الاحترام ہونے میں شبہ تو ہرگز ہو نہیں سکتا تھا، کہ جب راہِ خدا کے جانور بھی مقدّس ہیں تو ''عازمینِ بیت حرام'' کیسے محترم نہ ہوں گے؟ مگر بعض وقت کسی بغض وعناد میں اَن ہونے واقعات بھی ہوجاتے ہیں، پس یہ تنبیہ عینِ حکمت ہے۔ سورۂ نساء کی آیت (۹۴) یٰاَیُّھا الَّذِینَ اٰمنوا اِذا ضَرَبتم فی

سبیل اللہ۔۔۔ کے ماتحت مفسرین نے بعض ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے کہ جہادی مہم کے ایک مجاہد نے ایک دوسرے قبیلہ کے ایسے شخص کو پا کر جس سے اس کا کوئی پرانا بغض تھا اس کے سلام کے باوجود تلوار کا لقمہ جوشِ عداوت میں بنادیا۔

علاوہ ازیں بعض مفسرینِ سلف، حضرت حسن بصری وغیرہ، کے قول کے مطابق یہ حکم اس وقت کی بات ہے جب مشرکین بھی حج وعمرہ کے سفر کے لئے آزاد تھے۔ (اور یہ زمانہ حجۃ الوداع سے قبل تک رہا) پس اس ہدایت کی ضرورت دراصل مشرک عازمینِ حج کے حوالہ سے تھی، الفاظ اگرچہ عام ہیں۔ اور ان سے کیا کچھ نہ تکلیفیں مسلمانوں کو پہنچتی رہی تھیں۔ پس ہوسکتا تھا کسی ایسے گروہ کو راہ میں دیکھ کر انتقام کی رگ پھڑک اُٹھے۔ اور بعض روایتوں میں اس طرح کی بات ۷ھ کے عمرۃ القضا کے لئے سفر کے حوالہ سے آئی بھی ہے، یہ سفر حدیبیہ والے سفر کے بعد عمرۂ قضا کے لئے ہوا تھا۔ پس اس پہلو سے تو یہ ایک نہایت ضروری تنبیہ و ہدایت تھی۔ اور ان ہی اقوال وروایات سے یہ بات نکلتی ہے کہ سورہ کی کچھ آیتیں حجۃ الوداع سے قبل کی بھی ہیں۔ پوری سورہ حجۃ الوداع میں نہیں نازل ہوئی۔

اِحرام نہ بھی باقی رہا ہو تب بھی حرم واجب الاحترام

حُرُمات کے تحفظ میں احکام کا یہ سلسلہ حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت سے شروع ہوا تھا، ختم ہوا تو شکار کی ممانعت اُٹھاتے ہوئے فرمایا گیا: وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (اور جب احرام سے نکل آؤ تو شکار کرلو۔) یعنی اب اجازت ہے کہ شکار کرو۔ جیسے کہ سورۂ جمعہ میں جمعہ کی نماز کے بارے میں آیا ہے: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ۔۔۔ جب نماز پوری ہوجائے تو اٹھو اور زمین میں پھیلو اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔ یہ اجازت ہی کا بیان ہوا تھا نہ کہ فرضیت کا، ایسے ہی یہاں بھی ہے۔

آگے فرمایا جارہا ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ۔۔۔۔ (اور ایسا نہ ہو کہ تمھیں کسی قوم سے یہ بنائے عداوت کہ اس نے تمھیں مسجدِ حرام سے روکا تھا اس کے ساتھ زیادتی پر آمادہ کردے۔۔۔)

بعض حضرات کے نزدیک یہ اسی ہدایت کی مزید تاکید ہے جو اوپر ''آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ'' کے بارے میں گزری۔ لیکن اپنے الفاظ کے اعتبار سے تو یہ صاف طور پر کسی ایسی قوم سے متعلق ہے جو مسلمانوں کو مسجدِ حرام سے روکنے والی بنی ہو، اور یہ خاص قوم، قریشِ مکہ تھے۔ پھر اس کا ''وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا'' کے بعد آنا بھی بتارہا ہے کہ حالتِ احرام والا سلسلۂ ہدایات ختم ہوا جس میں ''آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ'' کا

مسئلہ آیا تھا، اب یہ کوئی جداگانہ مسئلہ ہے جو احرام سے آزادی کی حالت میں پیش آسکتا تھا۔ اور احرام سے آزادی بھی راہِ حرم میں نہیں بلکہ مناسک پورے کرنے کے بعد خاص حرم ہی میں ہوتی ہے۔ پس یہ راہِ حرم کے مسافروں سے متعلق بات نہیں ہوسکتی۔ اہلِ حرم ہی سے متعلق ہوسکتی ہے۔

الغرض یہ تنبیہ قریش ہی سے متعلق ہونی چاہئے، جنھوں نے مسلمانوں پر ہجرت کے بعد سے راہِ حرم اس حد تک روکے رکھی کہ چھٹے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی ایک بشارت کی بنا پر عمرہ کی نیت سے سفر فرمایا۔ اور حرم میں پرامن داخلہ کے خیال سے حدیبیہ کے مقام پر رک کر ان لوگوں سے داخلۂ حرم کے لئے رابطہ کیا تو ان کی جاہلیت کسی حال اس کی روادار نہ ہوسکی اور مسلمانوں کو عمرہ کئے بغیر واپسی کا فیصلہ کرنا پڑا۔ قریش کے اس ظالمانہ رویہ کی یاد مسلمانوں کے دلوں میں انتقام کی بھرپور تحریک کرسکتی تھی۔ لیکن یہ کون سا وقت ہوسکتا تھا جس میں یہ تحریک رونما ہو اور اس تنبیہ کی ضرورت پیش آئے؟ تو ظاہر ہے کہ یہ وقت فتحِ مکہ (۸ھ) سے پہلے کا نہیں ہوسکتا تھا۔ اور اس کے کچھ زیادہ بعد تک کا بھی نہیں ہوسکتا تھا، کہ قریش کی اکثریت تو اس فتح کے ساتھ ہی کلمہ گو ہوگئی تھی۔ اور جو بچ رہے تھے وہ بھی زیادہ دیر محروم نہ رہ سکے تھے۔ لہٰذا یہ ہدایت خاص فتح کے وقت کی ہونی چاہئے۔ اور اوپر گزر ہی چکا ہے کہ سورہ کی کچھ آیتیں حجۃ الوداع (۱۰ھ) سے پہلے کی ہیں۔

الغرض یہ تنبیہ قریش سے متعلق ٹھیرتی ہے۔ اور اس میں ''تعدی اور زیادتی'' سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مفتوح اور شکست خوردہ ہوجانے کی پوزیشن میں کوئی پرانا بدلہ چکانے کو بھی زیادتی ہی قرار دیا جارہا ہے۔ (''ومعنیٰ الاعتداء الانتقام منھم''۔ کشّاف) اور آگے ''تَعاوَنُوا علیٰ البِرِّ وَالتَّقویٰ ولا تَعاوَنُوا علیٰ الاثمِ والعُدوان'' فرما کر گویا حکم دیا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص فرطِ غیظ میں کوئی ایسا اقدام کرنے لگے تو دوسروں کو چاہئے کہ اسے باز رکھیں نہ یہ کہ جماعتی جذبہ سے اس کا ساتھ دینے لگیں۔

موقع خاص ہے مگر ہدایت عام

اور یاد رہے کہ یہ تنبیہ و ہدایت اپنے نزول کے خاص وقت کے لحاظ سے اگرچہ ایک خاص قوم سے متعلق نظر آرہی ہے تاہم اس کی جو روح اور بنیاد آگے کے الفاظ میں بتائی جارہی ہے وہ اسے کسی خاص قوم اور کسی خاص وقت کا پابند نہیں رہنے دیتی۔ فرمایا وَتَعاوَنُوا علَی الْبِرِّ وَالتَّقویٰ ولا۔۔۔۔'' (نیکی اور

تقویٰ میں ایک دوسرے کی معاونت کرو گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے) یہ ہے بنیاد اس ہدایت کی جو قریش سے متعلق دی جا رہی ہے، اور یہ زمان و مکان اور من وتو کی قید سے ماوراء ہے۔ یہ اطلاقی اصول ہے مسلمان کی زندگی کا، وہ جہاں بھی ہو جب بھی ہو نیکی اور تقوے کی راہ چلے۔ چاہے مسئلہ قریش جیسے دکھ دینے والوں ہی کا ہو۔ اسی سورہ کی آٹھویں آیت میں آگے یہی بات عدل وانصاف کے عنوان سے بالکل ایک عام اصولِ زندگی کے طور پر فرمائی گئی ہے۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا ---- کسی قوم سے عداوت تمہارے لئے اس امر کا باعث نہ ہو جائے کہ بے انصافی کرنے لگو، نہیں انصاف کرو، کہ یہی قرینِ تقویٰ ہے۔

نفس کے تقاضوں سے اس درجہ بلند رہنے کی ہدایت کلامِ خداوندی کے ماسوا اور کہاں مل سکتی ہے؟ کیا اس کے بعد بھی شک ہونا چاہئے کہ قرآن کلامُ اللہ ہے؟ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب!

وہ صورتیں جن میں حلال جانور بھی حرام ہو جائے!

سورہ کے آغاز میں یہ فرماتے ہوئے کہ مویشیوں کی جنس کے تمام جانور بطور غذا کے حلال ہیں یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ اس میں کچھ استثناء ہے وہ آگے آتا ہے (اِلَّا ما يُتلىٰ عليكُم!) اسی استثناء کے بیان میں اب آتا ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ------ ''حرام ہے وہ جانور جو (اپنی موت) مر گیا ہو، اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام بولا گیا ہو، اور وہ کہ جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو یا جو کسی ضرب سے مر جائے یا اونچے سے گر کر مر گیا ہو یا کسی دوسرے جانور کے سینگ سے زخمی ہو کر مر جائے، یا کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو، اِلّا یہ کہ اسے ذبح کر لیا گیا ہو، اور وہ کہ جو ذبح کیا گیا ہو کسی استھان پر اور وہ (گوشت) کہ جو تقسیم کیا گیا ہو تیروں کے ذریعہ سے۔'' خون کی حرمت کا بیان آگے سورۂ انعام میں بھی آتا ہے، وہاں اس کے ساتھ وضاحتی لفظ ''مسفوح'' بھی لگا ہوا ہے جس کا مطلب ہے جسم سے بہا ہوا خون۔ یعنی جگر تلی وغیرہ حرام نہیں ہیں، اس کی حدیث میں صراحت بھی آتی ہے۔

حرام چیزوں کی اس فہرست میں ''درندے کے پھاڑ کھائے ہوئے'' کے بعد آ رہا ہے: اِلّا یہ کہ اسے ذبح کر لیا گیا ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال ہے۔ یعنی درندے کے حملہ سے مرنے نہیں پایا تھا کہ ذبح کر لیا گیا (ذبح کے بجائے لفظ تذکِیہ سے ذکّیتم لایا گیا ہے۔ جس کے معنی پاک کرنے کے ہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے جو ذبح کے عمل سے مقصود ہے۔ اور عربی داں سمجھ سکتے ہیں کہ اس خاص موقع کے لئے یہی لفظ موزوں تر تھا)۔

اور حلال ہونے کی یہ صورت صرف اسی جانور سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے کے چاروں جانور بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں، اس لئے کہ ان سب ہی میں یہ صورت ممکن ہے گلا گھٹ کر مرنے نہیں پایا تھا یا کسی ضرب سے مرنے جارہا تھا مگر ابھی زندہ تھا، اونچائی سے گرنے کی چوٹ سے مرا جارہا تھا مگر مرا نہیں تھا، علیٰ ہذا کسی دوسرے جانور کے سینگ سے زخمی ہوکر مر رہا تھا مرا نہیں تھا کہ ذبح کرلیا گیا۔ ایسے میں یہ پانچوں جانور حلال ہوں گے۔ البتہ ان سے اوپر کے چاروں اور ان سے نیچے کے دونوں کا معاملہ الگ ہے، ان کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

اس فرق کی وجہ

نیچے کے دو میں سے ''وہ کہ جو کسی استھان پر ذبح کیا گیا'' وہ تو صاف ایک مشرکانہ عمل ہے ہی۔ تیروں کے ذریعہ تقسیم کی بات بھی شرک ہی کا پہلو رکھتی تھی۔ یہ تیر زمانۂ جاہلیت میں قسمت بتانے، جھگڑوں کا تصفیہ کرنے کے کام میں لائے جاتے تھے جو مذہبی ٹھیکہ داروں کے پاس رہتے تھے۔ ان میں سے ایک پر کچھ لکھا ہوتا، دوسرے پر کچھ، تیسرے پر کچھ۔ پس جو نکل آیا وہ تقدیری فیصلہ یا جھگڑے کا منجانب اللہ حل ٹھیرا۔ (سورہ بقرہ میں جوئے اور شراب کی آیت (۲۱۹) میں ان کا ذکر گزر چکا ہے کہ اونٹ پر کھیلے گئے جوئے میں اس کا گوشت ان ہی تیروں سے جواریوں کے درمیان تقسیم ہوتا تھا۔) یہ واقعہ میں اگرچہ خالص وہم پرستی تھی مگر نام کو بہرحال خدا پرستی تھی اس سے معاملہ مشتبہ ہوسکتا تھا، پس فرمادیا گیا: ذٰلِکُمْ فِسق۔ یہ گناہ کا کام اور اپنی طرف سے اللہ کے نام ڈالی گئی بات ہے۔ (ذالکم فسق کا اشارہ اوپر کی کُل فہرستِ محرمات کی طرف بھی لیا گیا ہے۔ مگر دل لگتی بات یہ ہے کہ اشارہ صرف تیروں سے تقسیم کے عمل کی طرف ہو۔ بیضاوی اور روح المعانی وغیرہ سے بھی اسی کی ترجیح ملتی ہے۔ ''اشارۃ الی الاستسقام۔'')

رہیں اوپر والی چار ممنوعہ چیزیں، تو ان میں سے خون اور مردار تو خود ہی ایسی گھنونی چیزیں تھیں کہ کچھ کہنے کی ضرورت ایک ایمانی فطرت والے سے نہ تھی جسے طیبات (پاکیزہ چیزوں) کی تاکید ہوتی چلی آرہی تھی۔ اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جانے والے جانور کا معاملہ اہلِ ایمان کے لئے اس سے بھی زیادہ صاف۔ صرف خنزیر رہتا ہے جس کے بارے میں سوال ہوسکتا ہے کہ اس کی بھی تو کچھ علت ہوگی؟ تو یہ دراصل ''بَھیمَۃ الاَنعام'' کے زمرہ میں (یعنی حلّت والے زمرہ میں) آجانے والا جانور تھا، جبکہ قرآن میں جگہ جگہ اس کی حرمت آچکی تھی۔ پس اس کا ذکر یہاں اس کو اِس زمرہ سے نکالنے کے لئے ہے۔ اور اسی لئے اس کے

گوشت کی حرمت کی بات فرمائی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر حال میں حرام ہے۔ ذبح اور بے ذبح سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گویا یہ سرے سے ان جانوروں میں آتا ہی نہیں جو کسی صورت میں بھی قابلِ غذا ہوں۔

قرآن اس کی علت دوسرے مقامات پر اس کو "رِجس" کہہ کر اس کی نجاست بتاتا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ جو قومیں اسے بڑے شوق سے کھاتی ہیں، اور ان کے طرزِ فکر نے نام نہاد مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس کی حرمت کو قابلِ بحث بنا دیا ہے، ان قوموں کی ڈکشنری دیکھئے تو اس کے لئے لفظ پگ (Pig) کے ذیل میں نہایت برے محاورے اس سے وابستہ ملیں گے۔ مثلاً آکسفرڈ ڈکشنری میں ملتا ہے کہ محاورۃً یہ لفظ گندے، حریص اور گھمنڈی آدمی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اب قرآن اگر اسے رِجس (سراپا گندگی) کہتا ہے تو کیا پھر بھی غلط کہتا ہے؟

ان احکام میں دین کی تکمیل اور اتمامِ نعمت ہے

آگے ان احکام پر کاربند رہنے کی تاکید میں فرمایا گیا ہے: "اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِینَ کفروا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلاتَخْشَوْھُم۔۔۔" (کفر والے اب تمھارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں، ان سے ڈرنے کی ضرورت تمھیں نہیں، ڈر صرف میرا رکھو۔ میں نے آج تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمھارے لئے بطورِ دین پسند کر لیا۔)

دوسرا کون سا دن اہلِ ایمان کے لئے اس سے بڑی خوش خبری کا ہو سکتا تھا کہ اللہ جلّ جلالہٗ کی طرف سے اپنی نعمت پوری فرما دینے کا اعلان ہو رہا ہے؟ اور یہ نعمت تھی دین کی تکمیل۔ اُس دین کی تکمیل، جس کی راہ روکنے کا کوئی طریقہ دنیا نے بچا کر اور کوئی دقیقہ اُٹھا کر نہیں رکھا تھا۔ اپنے پرائے سب اپنی سی ہر کوشش اس کے خلاف بیس برس سے زیادہ کرتے رہے۔ مگر اللہ کی طرف سے بخشی ہوئی رسولِ برحق کی استقامت کے سامنے ہر کید اور ہر مکر و فریب ناکام ہی ہوا۔ سچے اہلِ ایمان کے لئے آج بھی اس آیت میں ایک کیف و مسرت کا سامان ہے، مگر اُن اہلِ ایمان کی کیفیت کا اندازہ اس نوید پر کون کر سکتا ہے جو اس دین پر استقامت اور اس کی نصرت کی راہ میں اتنی طویل مدت تک ہر سرد و گرم جھیلتے ہوئے اس دن تک پہنچے تھے؟ بس وہی جان سکتے تھے کہ کیا جانفزا نی اس مژدۂ حق میں رکھی ہوئی ہے۔ اور اس لئے اس وقت جو بھی کچھ ان سے مانگا جاتا وہ بہ ہزار دل پیش کرنے پر آمادہ ہوتے۔ لیکن اللہ (ھوالغنی) کو مانگنا کیا تھا؟ ان بندوں ہی کی عاقبت کا تحفظ اسے منظور تھا۔ فرمایا: کافر اب دین کی طرف سے تمہارے بارے میں مایوس ہو گئے ہیں۔ وہ

اس میں رخنہ ڈالنے کی پوزیشن میں نہیں رہے۔ تمھیں اب صرف میری رضا اور عدمِ رضا کا خیال کرنا ہے۔ گویا یہی شکرانِ نعمت ہے۔

یہ آیت حجۃ الوداع (۱۰ھ) میں عرفہ کے دن بعدِ عصر نازل فرمائی گئی اور یہ دن جمعہ کا دن بھی تھا۔ گویا سال کا مبارک ترین دن۔ اور موقع وہ کہ تقریبا سارے ہی اہلِ ایمان جمع تھے۔

۲ھ کا کیا گیا وعدہ جو پورا فرمادیا گیا

۱۰ھ میں نازل ہونے والی یہ آیت ۲ھ میں نازل ہونے والی سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۰ کو یاد دلاتی ہے جس میں ۱۰ھ کے اِس مژدۂ اتمامِ نعمت کی امید دلاتے ہوئے فرمایا گیا تھا: ''۔۔۔**فلا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعمَتِي عليكُمْ**۔۔!'' یہ موقع تحویلِ قبلہ کا تھا جس پر یہود نے ایک طوفان مخالف پروپیگنڈہ کا اُٹھایا ہوا تھا۔ وہاں اہلِ ایمان کو اس مخالف مہم کو خاطر میں نہ لانے اور اس کے مقابلہ میں حکمِ الٰہی پر مضبوط رہنے کی تلقین والی آیات کے آخر میں یہ **فلا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي** (ان سے نہیں بلکہ صرف مجھ سے ڈرو) کی وصیت فرمائی گئی تھی۔ اور جس طرح وہاں ڈرنے کے معنیٰ واضح طور پر ''خاطر میں لانے، اہمیت دینے'' کے ہوتے تھے (یعنی خاطر میں بس مجھے لاؤ یہود کے مخالف پروپیگنڈے کی کوئی اہمیت نہ جانو) اسی طرح یہاں المائدہ میں بھی یہ الفاظ اسی معنیٰ میں ہیں۔ یعنی کھانے پینے کے سلسلہ میں حلّت وحرمت کے قوانین دئے جانے پر کفار کی جو نکتہ چینیاں برابر ہوتی آئی تھیں (سورہ بقرہ میں بھی ان کا ذکر آچکا ہے) انھیں اب بالکل بھول جاؤ خاطر میں نہ لاؤ۔ معروف معنیٰ میں 'ڈر' کا تو کوئی سوال ہی نہیں رہا تھا، حجۃ الوداع کے وقت کفار عرب میں رہ کہاں گئے تھے کہ ان سے ڈرا جاتا؟ اب بس سابقہ دور کی نکتہ چینیاں ہوسکتی تھیں جو جدیدُ العہد مسلمانوں کے ذہن کو تشویش میں ڈال سکتی ہوں یا آئندہ کسی زمانے کے مسلمانوں کے حالات میں اس ذہنی تشویش کا اندیشہ کیا جاسکتا تھا (جیسا کہ ہم اپنے زمانہ میں کفر کے غلبہ سے دیکھ رہے ہیں) اور بظاہر یہی نکتہ ہے کہ ڈر کے لئے جو دوسرا لفظ ''خوف'' آتا ہے اور قرآن میں بکثرت دُہرایا گیا ہے، یہاں (ان دونوں مقامات پر) اس کے بجائے ''خَشیَت'' کا مادہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ خوف والا ڈر امام راغب کی ''مفردات القرآن'' کے مطابق کسی نقصان اور تکلیف کا ہوتا ہے جبکہ خشیت ڈر کی اُس کیفیت کے لئے آتا ہے جو کسی چیز، کسی ہستی کو اہمیت دینے اور خاطر میں لانے سے پیدا ہو (''**الخشية خوف يشوبهٗ التعظيم**'')

حالتِ اضطرار کی رعایت

مذکورہ احکام حلّت وحرمت کو نعمتِ اسلام کی تکمیل قرار دیتے ہوئے مضبوطی سے ان پر جمنے کی وصیت تو ان کا عین حق تھی، مگر انسان کے ساتھ معذوریاں لگی ہوئی ہیں۔ ہوسکتا ہے کوئی وقت کسی پر ایسا آپڑے کہ ان احکام کی پابندی کرتا ہے تو جان جاتی ہے۔ فرمایا: ایسی سختی نہیں ہے۔ فَمَنِ اضطُرَّ فی مَخْمَصَةٍ ۔۔۔ اگر ایسی صورتِ حال مثلاً کسی کو پیش آگئی ہے کہ بھوک کی شدت سے کچھ کھانے پر مجبور ہے اور حرام کے سوا دوسری غذا میسر نہیں تو بس جان بچانے بھر کا اگر کھالے تو اللہ معاف فرمانے والا ہے رحم فرمانے والا ہے۔ مخمصہ خلوّ معدہ (اور عام لفظوں میں شدید بھوک) کو کہتے ہیں اور اضطرار اردو میں بھی مجبوری کے لئے بولا جاتا ہے۔ غیرَ مُتجانِفٍ لِاِثمٍ کا مطلب ہے نہایت احتیاط اور مجبوری کے احساس سے بس ضرورت بھر کھا رہا ہے، لذت نہیں لینے لگا ہے بلکہ گناہگاری کی سرحد میں داخلہ سے خوف کھائے ہوئے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقنا لِما تُحِبُّ وَترضیٰ وَاجعَل آخِرَ تَنا خَیراً مِّنَ الاُولیٰ! وَلا حَولَ وَلا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم!

☆☆☆

سَلام

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی

سلام اے ظلِّ رحمانی ،سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی

سلام اے سرِّ وحدت ،اے سراج بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی

ترے آنے سے رونق آ گئی گلزارِ ہستی میں
شریک حالِ قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربانی

سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم انساں کو سکھلا دے
یہی اعمالِ پاکیزہ یہی اشغالِ روحانی

تیری صورت تیری سیرت تیرا نقشہ تیرا جلوہ
تبسّم ،گفتگو ، بندہ نوازی ، خندہ پیشانی

اگرچہ **فقر فخری** رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِّ کسرائی وخاقانی

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہوچکی اجزائے ہستی کی پریشانی

زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہوجائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرّے کو تابانی

حفیظؔ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروّت سے ہے نورانی

تیرا در ہو میرا سر ہو ، میرا دل ہو تیرا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات
اور
اسوۂ حسنہ کے چند خاص گوشے

بعد خطبۂ مسنونہ:

ہمارے مروجہ جلسے:

حضرات! پچھلے چند برسوں میں ہمارے ملک میں میلاد النبی اور سیرت النبی کے نام سے اس قسم کے جلسوں کا رواج بہت بڑھ گیا ہے، میں اپنی بات شروع کرنے سے پہلے آپ سب حضرات پر یہ بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اس قسم کے جلسوں کی افادیت کا قائل نہیں ہوں بلکہ ان کو امت کے زوال وانحطاط کی علامت سمجھتا ہوں، اور یہ کوئی گہرا اور باریک علمی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت موٹی سی بات ہے جس کو اگر سمجھنا چاہیں تو آپ بھی میری طرح آسانی سے سمجھ سکتے ہیں —— اصل بات یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی امتوں کے دو دور ہوتے ہیں، ایک وہ جب کہ وہ ان کے راستے پر چلتی ہیں اور ان کی تعلیم و ہدایت کے مطابق زندگی گذارتی ہیں، اس وقت ان کو اس کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ مصنوعی اور بناوٹی طریقوں سے اپنے اس نبی اور ہادی کے ساتھ اپنی عقیدت اور اپنا تعلق ظاہر کریں کیونکہ اس دور میں ان کا ہر عمل بلکہ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور سونا جاگنا اس تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔

دوسرا دور ان امتوں اور قوموں کا وہ ہوتا ہے جب کہ یہ اپنے ہادی اور پیغمبر کے طریقے پر چلنا چھوڑ دیتی ہیں اور اس کی تعلیم وہدایت کے بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگتی ہیں، مگر اس حالت میں بھی

اس نبی اور ہادی کے ساتھ ان کا اعتقادی اور جذباتی تعلق باقی رہتا ہے، اس دور میں وہ اس کی ضرورت محسوس کرتی ہیں کہ اپنے اس جذباتی واعتقادی تعلق کا کسی طرح مظاہرہ کریں۔ اس کے لئے سب سے آسان راستہ ان کے نزدیک یہی ہوتا ہے کہ خاص دنوں میں وہ ان کی یاد منائیں، جلسے کریں، ان کے فضائل ومناقب اور کارنامے بیان کریں، اور نظم ونثر میں گویا ان کو خراج تحسین ادا کریں —— آپ سب بھائی میری صاف گوئی معاف کریں، میرے نزدیک ہمارے ان سیرتی اور میلادی جلسوں اور جلوسوں کی اصل حیثیت بس یہی ہے۔

اس وقت ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ زندگی گذارنے کے بارے میں جو احکام اور قوانین ہمارے لئے لائے تھے، جو قرآن وحدیث میں آج بھی جوں کے توں محفوظ ہیں ان کی پیروی اور پابندی تو ہم کرتے نہیں، یعنی آپ کی بات ماننے اور آپ کی ہدایت پر چلنے کے لئے تو ہم تیار نہیں لیکن آپ کے ساتھ جو جذباتی اور اعتقادی تعلق باقی ہے اس کے مظاہرہ کے لئے ہم نے یہ جلسے اور جلوس ایجاد کر لئے ہیں۔ اس میں تفریح بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے تعلق کا ایک سستا اور دل خوش کن مظاہرہ بھی ہے۔ گویا اس وقت ہم مسلمانوں کی پوزیشن یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محفوظ تعلیم اور آپ کی مقدس روح ہم کو پکار رہی ہے کہ اے میرا نام لینے والو! مجھ سے تعلق اور محبت کا دعوی کرنے والو! ایماندار بنو، اللہ کے عبادت گذار بنو، معاملات میں سچے اور دیانت دار بنو، ہر قسم کے فسق وفجور اور فواحش ومنکرات سے بچو اور پرہیزگار بنو، —— اور ہم مسلمانوں کا جواب اپنے طرز عمل اور اپنے حال سے یہ ہے کہ حضور! یہ سب تو بہت مشکل ہے، ہاں ہم آپ کے یومِ ولادت کا جشن منائیں گے، شاندار جلسے کریں گے، کئی کئی میل لمبے جلوس نکالیں گے اور آپ کے پاک نام کے خوب زور زور سے نعرے لگائیں گے اور عیسائیوں، ہندوؤں وغیرہ دنیا کی ساری قوموں کو اس میدان میں مات دے دیں گے —— میں خوب سمجھتا ہوں کہ میری اس بات پر آپ میں سے بہت سے بھائیوں کو سخت غصہ آیا ہوگا، لیکن خدا کے لئے سوچئے کہ ہماری موجودہ زندگی کے ساتھ ہمارے یہ جلسے اور مظاہرے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہمارے صحیح ایمانی تعلق کی نشانی ہیں یا ان کے ذریعہ ہم دنیا کو اور خود اپنے نفسوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

آپ میں سے جو پڑھے لکھے بھائی اپنی تاریخ کے بارے میں کچھ بھی جانتے ہوں گے وہ اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ جب تک مسلمان اپنی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کے پابند تھے

اور سچے مسلمانوں کی طرح آپ کے طریقے پر چلتے تھے۔انھوں نے کبھی اس قسم کے شاندار جلسوں اور جلوسوں کی ضرورت نہیں سمجھی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق، ان کے عمل اور ان کی زندگی سے ظاہر ہوتا تھا اور اس وقت دنیا ان کو دیکھ کر برت کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹھیک ٹھیک پہچانتی تھی، مگر ہم چاہتے ہیں کہ عمل اور زندگی کے بجائے بس زبانی جمع خرچ سے اپنی اسلامیت کا ثبوت دیں اور اسلام کے مجاہدوں میں اپنے نام لکھوائیں۔

میرے محترم بزرگو اور بھائیو! میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ پوری صفائی سے یہ بات آپ کے سامنے کہہ دوں کہ اللہ کے نزدیک اور دنیا والوں کے نزدیک بھی اصل چیز عمل اور زندگی ہے اور ہمارا آپ کا یہ زبانی جمع خرچ، یہ جلسے جلوس، اپنے اندر کوئی قیمت اور کوئی طاقت اور افادیت نہیں رکھتے، اور یہ کسی طرح بھی ہماری گنہگارانہ زندگی کا کفارہ نہیں بن سکتے —— یہ بھی سراسر دھوکہ ہے کہ ان طریقوں سے ہم دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح تعارف کرا سکتے ہیں —— آپ کے صحیح تعارف کی صورت صرف یہ ہے کہ آپؐ کے نام لیوا آپ کے طریقے پر چل کر اور آپ کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق ایمانداری اور راست بازی، عبادت گذاری اور پاک بازی کی زندگی کا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آئیں اور دکھائیں کہ ہمارے ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پاک اور حسین زندگی کا پیغام لے کر آئے تھے —— میرے بھائیو! عمل اور زندگی کے بغیر زبان اور قلم کی ہماری ساری اشتہار بازی اور سارے یہ مظاہرے بالکل بے اثر ہیں۔

میری یہ بات آپ میں سے بہت سوں کو یقیناً ناگوار بھی ہوئی ہوگی، لیکن میں اس پر کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا، میں نے خوب سوچ سمجھ کر اور اپنی ذمہ داری محسوس کر کے یہ بات کہی ہے، اگر میں یہ بات نہ کہتا تو خیانت کا مجرم ہوتا —— خدا کرے آپ حضرات میری اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اب میں اس موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جو دراصل آپ کے اس جلسے کا موضوع ہے اور جس پر سننے کے آپ منتظر ہوں گے۔

اس وقت کے مجمع کی خاص نوعیت کے لحاظ سے میں یہ زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وسوانح پر کوئی مسلسل اور مرتب تقریر کرنے کے بجائے آپ کی تعلیم اور زندگی کے بعض

خاص اور اہم شعبوں سے متعلق کچھ متفرق باتیں عرض کروں، گویا اس وقت کی میری تقریر کی حیثیت ایک مسلسل اور مرتب مضمون کی نہیں ہوگی بلکہ ''شذرات'' کی سی ہوگی —— مجھے امید ہے کہ اگر آپ حضرات میری ان باتوں کو غور سے سنیں گے تو ان سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

تعلیمات نبوی:

حضرات! کسی نبی اور ہادی کی زندگی میں سب سے اہم چیز اس کی تعلیم اور ہدایت ہوتی ہے، اس لئے میں سب سے پہلے آپ کی تعلیم اور ہدایت ہی کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں ——

آپ کی تعلیم کو اصولی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق اللہ سے یعنی ہمارے آپ کے خالق سے ہے اور دوسرا وہ جس کا تعلق اللہ کے بندوں اور اس کی عام مخلوق سے ہے۔

توحید:

حضرات! اللہ تعالیٰ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور اللہ کے دوسرے نبیوں، رسولوں نے جو کچھ دنیا کو بتلایا ہے اس میں توحید کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے، اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کا تعلق انسان کی زندگی سے بہت گہرا ہے، اس لئے میں سب سے پہلے اس مسئلہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اتنی بات تو غالباً آپ سب ہی حضرات جانتے ہوں گے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کی تعلیم یہ کہہ کر ختم نہیں کر دی کہ خدا ایک ہے یا اس کائنات کا پیدا کرنے والا بس ایک ہے، بلکہ آپ نے بتایا کہ سب کا پالنے والا اور سب کے لئے روزی اور زندگی کی دوسری ضروریات مہیا کرنے والا بھی وہی ایک ہے۔ ہر ایک کا اور ہر قسم کا بناؤ بگاڑ، نفع نقصان، تندرستی اور بیماری، موت اور حیات سب اسی کے قبضہ میں ہے، اس کے سوا کسی کے قبضہ و اختیار میں کچھ نہیں ہے، سب اس کے محتاج ہیں اور صرف وہی ایک ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں، کائنات کے اس سارے کارخانے کو وہ اکیلا ہی چلا رہا ہے، زمین و آسمان پر صرف اسی کی فرمانروائی ہے اور صرف اسی کا حکم چلتا ہے، وہ اپنی ذات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے، اپنی صفات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے، اپنے افعال میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے۔ لہٰذا عبادت اور بندگی بھی صرف اسی کا حق ہے اور جو لوگ عبادت اور بندگی میں یا اس کی صفات اور اس کے افعال میں کسی اور کی بھی شرکت مانتے ہیں وہ

بڑے ظالم اور بڑے پاپی ہیں ،اسی طرح جولوگ اس کے درکوچھوڑ کے کسی اور در کے بھکاری بنتے ہیں اوراپنی حاجتوں اورضرورتوں میں کسی اور سے دعائیں کرتے ہیں وہ بڑے گمراہ ہیں۔

توحید کے سلسلے کی ایک خاص بات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم اتنی مشہور ومعروف ہے کہ مسلمان تومسلمان میرا خیال ہے کہ جن غیر مسلم حضرات کوآپ کی تعلیم کے بارے میں کچھ بھی واقفیت ہے وہ بھی اتنی بات ضرور جانتے ہوں گے کہ آپ نے خدا کی توحید کے بارے میں یہ سب کچھ بتایا ہے۔اس لئے میں اس سلسلہ میں کچھ زیادہ تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا ،ہاں مسئلہ توحید کے ایک خاص گوشہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ،اورآپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کو آپ غوراورتوجہ سے سنیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ پیغمبروں کی امتوں کے لئے سب بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر ہی کے بارے میں غلو میں مبتلا ہوکر گمراہ ہوجائیں۔اوراس کوخدائی اختیارات کا مالک اورخداوندی صفات میں شریک ماننے لگیں۔میرے نزدیک یہ بات توعقل سے بہت بعید ہے کہ ذراسی بھی سمجھ بوجھ رکھنے والاکوئی آدمی پتھر کے بتوں کو یازمین سے اگنے والے درختوں یازمین میں بہنے والے دریاؤں کو پوجنے لگے یا گائے بیل ،بندر،لنگورجیسے کسی جانورکی پرستش کرنے لگے ۔لیکن یہ بات کچھ زیادہ مستبعدنہیں ہے کہ اللہ کے کسی پیغمبر کے معجزات اوراس کے دوسرے محیرالعقول کمالات دیکھ کراس کے امتی اس پیغمبر ہی کے بارے میں گمراہ ہوجائیں اوراس کوخدا کی صفات میں شریک اورخدائی اختیارات کا مالک سمجھنے لگیں ،حضرت عیسیٰؑ کی امت کی مثال ہمارے سامنے ہے ——ہمارے ہادیٔ برحق اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرہ کی بندش کے لئے جوکچھ فرمایااورجوکچھ کیااوراپنے بندہ ہونے کوجس جس طرح سے ظاہرکیامیرے نزدیک توحید کے سلسلہ میں وہ ایسی خاص الخاص چیز ہے جس کا حق ہے کہ اس کو جاناجائے ،اس کو یادرکھاجائے ،اس پرغورکیاجائے اوراس سے آپ کی صداقت اورآپ کے کمال کو سمجھاجائے ——میں اس صحبت میں اسی سلسلہ کے آپ کے چندارشادات آپ حضرات کوسناناچاہتا ہوں ——ہمارے جوغیر مسلم بھائی اس وقت تشریف فرماہیں میں ان سے گذارش کروں گا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے اس گوشہ پرخاص طورسے غورفرمائیں!

ایک موقع پرارشادفرمایااورامت کوتنبیہ کی :’’لاتطرونی کماأطرت النصاری عیسی ابن

مریم انما أنا عبداللہ و رسولہ فقولوا: عبدہ و رسولہ''۔(یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ کی امت نے ان کو حد سے بڑھا کر خدا کا بیٹا اور خدائی کا شریک بنا دیا تم اس طرح مجھے حد سے نہ بڑھانا، میری حیثیت بس یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں، لہٰذا مجھے بندہ اور پیغمبر ہی سمجھو اور بندہ اور پیغمبر ہی کہو۔)

ایک دفعہ آپ کے سامنے آپ کے ایک صحابی کی زبان سے نکلا کہ ''اگر اللہ نے چاہا اور آپ نے چاہا تو یہ کام ہوجائے گا'' آپ نے برہم ہوکر ان صحابی سے فرمایا: ''جَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا قُلْ: مَاشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ'' (یعنی تم نے مجھے خدا کے برابر کر دیا، یوں کہو جو تنہا خدا چاہے گا وہ ہوگا)—— گویا آپ نے ان صحابی کو بتایا کہ اس کائنات پر میری فرمانروائی نہیں ہے کہ جو میں چاہوں وہ ہوجائے، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی ہے۔ اور صرف اسی کی یہ شان ہے کہ جو وہ چاہے اور جس چیز کا حکم دے وہ ہوجائے۔ ''إِنَّمَا أَمْرُہٗ إِذَا أَرَادَ شَیْئًا أَنْ یَقُولَ لَہٗ کُنْ فَیَکُونُ''

اس سلسلہ میں ایک واقعہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام آپ نے ابراہیم رکھا تھا، قریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا، اتفاق سے اسی دن سورج کو گہن لگا، آپ کو خیال ہوا کہ شاید کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ میرے گھر کی اس غمی اور اس حادثہ کی وجہ سے یہ گہن لگا ہے، آپ نے فوراً اعلان کے ذریعہ لوگوں کو مسجد میں جمع کرایا، ان کے سامنے خطبہ دیا، جس کے یہ الفاظ آج تک حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، حمد وصلاۃ کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا—— امابعد فإنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آیَتَانِ مِنْ آیَاتِ اللّٰہِ لَا یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِہٖ فَإِذَا رَأَیْتُم ذٰلک فَافْزَعُوْا اِلَی الصَّلٰوۃ'' (یعنی آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ چاند سورج اللہ کی مخلوق اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کے مرنے جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا اور ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا جب کبھی تم دیکھو کہ ان کو گہن لگا تو سمجھو کہ اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے ایسا ہوا اور جلدی سے اس کی عبادت اور نماز میں لگ جاؤ اور اس کے قہر وغضب سے پناہ مانگو۔)

اس واقعہ اِس سے بات کا پورا پورا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو اپنے بارے میں غلو کی گمراہی کی کتنی فکر تھی اور آپ نے اس خطرہ کی کیسی پیش بندی کی ہے اور توحید کو کس قدر مستحکم اور محفوظ کیا ہے۔

ایک آخری بات اس سلسلہ کی اور سنئے!

جب آپ آخری مرض میں مبتلا ہوئے اور اس دنیا سے رخصتی کا وقت قریب آیا تو آپ کو اس کی فکر اور زیادہ ہوئی، چنانچہ انہیں دنوں میں آپ نے گمراہ ہوجانے والی بعض اگلی امتوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ان امتوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، اور اس مشرکانہ عمل کی وجہ سے ان پر خدائی لعنت ہوئی، خبردار! تم ہرگز ایسا نہ کرنا—— اسی کے ساتھ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی: ''**اللّٰھُمَّ لَاتَجعَلْ قَبْرِیْ وَثْنًایُعْبَدُ**'' (اے میرے اللہ! ایسا نہ ہو کہ دنیا سے میرے جانے کے بعد میری قبر بُت بنالی جائے اور اس کی پوجا کی جائے۔)

توحید کی تعلیم خود اپنے طرز عمل سے:

ایک طرف تو آپ نے امت کو شرک کے اس خاص خطرہ سے بچانے کے لئے یہ واضح ہدایتیں دیں—— اور دوسری طرف اپنے طرز عمل سے بھی انہیں یہ بتایا اور سکھایا کہ معبود اور مالک اور فرمانروا، اور کارساز صرف اللہ ہی ہے اور میں بھی اس کا ایک محتاج بندہ ہوں اور اپنی ضرورتیں اسی سے مانگتا ہوں، اور اس کے در کا ایک بھکاری ہوں، صحابۂ کرام خود ہی اس کے راوی ہیں کہ جب کوئی مہم پیش آتی اور کوئی فکر آپ کو ہوتی تو آپ دعا اور نماز میں مشغول ہوجاتے، اللہ کے حضور میں سر رکھ کے پڑ جاتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو سیکڑوں دعائیں حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں ان میں سے ہر دعا آپ کی عبدیت اور بندگی کا ایسا مظاہرہ اور ایسا اعلانیہ ہے جس کے بعد کسی شخص کے لئے اس بارے میں کسی اشتباہ، کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

آپ کی ایک دعا کے تمہیدی الفاظ سنئے!

اللّٰھُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ أَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الخ (اے میرے اللہ! میں آپ کا ایک بندہ ہوں، میرا باپ بھی آپ کا بندہ تھا، میری ماں بھی آپ کی ایک بندی تھی (یعنی میں پشتینی بندہ ہوں، غلام ابن غلام ہوں) میری پیشانی آپ کے قبضہ میں ہے (یعنی میں بالکل آپ کے بس میں ہوں اور آپ کا تابع فرمان ہوں) آپ کا جو حکم میرے بارے میں ہوگا وہ نافذ ہوگا، آپ کا جو بھی فیصلہ میرے لئے ہوگا وہ سراسر انصاف ہوگا، میں آپ سے آپ کے ہی پاک نام پر یہ مانگتا ہوں الخ)

بعض صحابۂ کرام نے آپ کے آخری حج میں عرفات کے میدان کی ایک دعا نقل کی ہے جو حدیث

کی کتابوں میں محفوظ ہے، سنئے! اس میں آپ کے الفاظ ہیں:

اللّٰهُمَّ إِنَّك تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَرىٰ مَكَانِي وَتَعْلَمُ سِرِي وَعَلَانِيَتِيْ لَا يَخْفٰى عَلَيْك شَيئٌ مِّنْ أَمْرِيْ، وَأَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ أَسْأَلُك مَسْأَلَةَ الْمِسْكِيْنِ، وَأَبْتَهِلُ إِلَيْك اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَأَدْعُوْك دُعَاءَالْخَائِفِ الضَّرِيْرِ، دُعَاءَمَنْ خَضَعَتْ لَك رَقَبَتُهُ وَفَاضَتْ لَك عَبْرَتُهُ وَذَلَّ لَك جِسْمُهُ، وَرَغِمَ لَك أَنْفُهُ، اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلَنِيْ بِدُعَائِك شَقِيًّا، وَ كُنْ بِيْ رَؤُفًا رَّحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْؤُلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ ''(اے میرے اللہ! تو میری بات سن رہا ہے اور میرا مقام تیری نگاہ میں ہے اور میرے ظاہر و باطن کا تجھ کو پورا علم ہے اور میری کوئی بات بھی تجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور میں ایک دکھی فقیر ہوں، فریادی ہوں پناہ کا متلاشی ہوں، لرزاں و ترساں ہوں اور اپنے قصور کا اقراری، میں آپ سے ایک عاجز مسکین کی طرح بھیک مانگتا ہوں اور ایک ذلیل خطا کار کی طرح گڑگڑاتا ہوں اور ایک خوف زدہ دُکھیارے کی طرح آپ سے دعا کرتا ہوں اور اس بندہ کی طرح دعا کرتا ہوں جس کی گردن آپ کے سامنے جھکی ہو، جس کے آنسو آپ کے حضور میں بہہ رہے ہوں اور آپ کے لئے وہ فروتنی کر رہا ہو اور ناک رگڑ رہا ہو —— اے میرے اللہ! مجھے ایسا نہ کر کہ میں آپ سے دعا کر کے بے نصیب رہوں، مجھ پر مہربانی فرما، رحمت فرما، اے سب سے اچھے مسئول! اے سب سے اچھے داتا!)

خلق خدا کے بارے میں آپؐ کی تعلیمات:

حضرات! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کا دنیا کو پیغام دیا اور شرک کے راستوں کو جس طرح بند کیا اس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے بس آپ کی یہ دعائیں اور آپ کے وہ ارشادات کافی ہیں جو ابھی میں نے آپ کے سامنے ذکر کئے۔ یہ تو آپ کی اس تعلیم کا ایک نمونہ ہوا جو آپ نے اللہ تعالیٰ کے متعلق دی ہے —— اس کے بعد صرف نمونے ہی کے طور پر آپ کے بعض وہ ارشادات بھی سن لیجئے جن میں آپ نے بندوں کے اور مخلوق کے حقوق کے بارے میں امت کو ہدایات دی ہیں۔

آپ نے ماں باپ، اولاد، بہن بھائی اور عزیزوں قریبوں کے متعلق حسن سلوک، اور ادائے حقوق کی جو سخت تاکیدیں فرمائی ہیں میں اس وقت ان کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ اللہ کی عام مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں آپ کے چند ارشادات سناتا ہوں —— ایک حدیث میں ہے

آپ نے فرمایا: ''اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عَیَالُ اللّٰہِ فَأَحِبُّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ أَنْفَعُھُمْ لِعَیَالِہٖ اَوْ کَمَاقَالَ ﷺ'' (یعنی ساری مخلوق اللہ کی عیال اور اس کا کنبہ ہے، اس لئے اللہ کو اپنے بندوں میں وہ بندہ زیادہ پیارا ہے جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائے۔)

ایک اور حدیث میں ہے آپ نے اپنے امتیوں کو ہدایت فرمائی: ''ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء'' یعنی تم زمین میں بسنے والی اللہ کی مخلوق پر رحم کرو، آسمان والا شہنشاہ تم پر رحمت کرے گا)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ لایَرْحَمْ لایُرْحَمْ'' (یعنی جو دوسرے پر رحم نہیں کھائے گا وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا) بعض حدیثوں میں آپ نے خاص طور سے کمزور اور پسماندہ طبقوں کی خبر گیری اور خدمت کی ہدایت وتلقین فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: ''اَلسَّاعِیْ عَلَی الْأَرْمَلَۃِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاھِدِفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' (یعنی کسی حاجت مند، مسکین اور کسی بے چاری بے سہارا اور لاوارث عورت کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ اجر وثواب میں خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے بندہ کے برابر ہے۔

ایسے ہی یتیموں کی کفالت اور پرورش کی ترغیب دیتے ہوئے آپ نے ایک موقع پر فرمایا: ''اَنَاَ وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ کَھَاتَیْنِ اَوْ کَمَاقَالَ ﷺ'' (یعنی کسی یتیم بچے کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے کر اس کی کفالت اور پرورش کرنے والا بندہ جنت میں بالکل میرے ساتھ ہوگا)

اور یہ تو عام مخلوق اور خاص طور سے کمزور طبقوں کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کے بارے میں آپ کی تعلیم تھی، اس سے آگے سنئے کہ آپ نے ستانے والوں اور دشمنی کرنے والوں کے لئے بھی یہی تعلیم دی، کہ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے، ارشاد فرمایا: ''صِلْ مَن قَطَعَکَ وَاعْفُ عَنْ مَنْ ظَلَمَکَ وَأَحْسِنْ اِلٰی مَنْ أَسَاءَ اِلَیْکَ، (یعنی جو شخص تم سے تعلق توڑے (یا قطع رحمی کرے) تم اس سے بھی جوڑنے کی کوشش کرو، جو تم پر ظلم وزیادتی کرے تم اس کو معاف کردو، جو تمہارے ساتھ برائی کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اس کی بدی کا بدلہ نیکی سے دو)

آپ نے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن پاک نے دنیا کو بتایا کہ بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ بھی انصاف ہی کیا جائے، بے انصافی اور ظلم وزیادتی جان وایمان کے دشمنوں کے ساتھ بھی جائز نہیں

’’وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى أَنْ لَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى‘‘ (کسی قوم کی دشمنی تم سے کوئی بے انصافی نہ کرادے، سب کے ساتھ انصاف کرو، یہ پرہیزگاری کا قریبی تقاضا ہے۔)

حضرات! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو چند ارشادات اس وقت ذکر کئے ہیں ان کو آپ کی اس تعلیم وہدایت کا صرف نمونہ کہا جاسکتا ہے جو آپ نے اللہ کے بندوں اور اس کی عام مخلوق کے ساتھ تعلق اور سلوک کے بارے میں اپنی امت کو دی ہے، میں وقت کی تنگی کی وجہ سے اس سلسلہ میں اس وقت بس اتنے ہی پر اکتفا کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اسی سے آپ کی تعلیم کے اس شعبہ کے متعلق ایک عام اندازہ کرسکیں گے ——— اب میں ایک دوسرے موضوع پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے شروع میں آپ حضرات سے عرض کیا تھا کہ اس وقت آپ کے سامنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وسیرت کے چند متفرق گوشوں کے بارے میں کچھ عرض کروں گا، اور میری اس وقت کی گفتگو کی حیثیت مجلسی شذرات کی سی ہوگی، اب تک میں نے آپ کی تعلیم کے دو گوشوں کے بارے میں کچھ عرض کیا ہے، (ایک خدا کی توحید اور دوسرے اس کی عام مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک)

آپؐ کا فقیرانہ طرز زندگی:

اب میں آپ کی سیرت کے بھی ایک خاص گوشے پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانتداری، راست بازی، حسن اخلاق، رحم دلی، تحمل، بردباری، غریبوں اور بیکسوں کی خدمت واعانت اور شجاعت اور شفقت یہ سب آپ کی زندگی کے وہ پہلو ہیں جن کا اقرار آپ کے دشمنوں کو بھی ہے، اور جس شخص کو آپ کے حالات زندگی سے ذرا سی بھی واقفیت ہے وہ ان سب باتوں کو خوب جانتا ہے اس لئے میں آپ کی زندگی کے ان پہلوؤں کے بارے میں کچھ عرض نہیں کروں گا، اس وقت آپ کی سیرت کے جس گوشہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آپ نے اس دنیا سے یعنی دنیا کی دولت اور اس کی لذتوں اور راحتوں سے کتنا حصہ لیا اور آیا نبوت کی وجہ سے آپ نے دنیا میں کوئی آرام اٹھایا، عیش کیا، یا مصیبتیں جھیلیں اور تکلیفیں اٹھائیں ——— اور جب آپ کو حکومتی اقتدار حاصل ہوا تو آپ نے حکومت کس طریقہ پر کی اور اس حکومت سے آپ نے اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے کیا لیا اور کتنا فائدہ اٹھایا؟۔

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ نبوت کے بعد ۱۳ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی وطن مکہ

میں رہے، یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ دعوائے نبوت کے بعد آپ کی قوم آپ کی سخت مخالف بلکہ آپ کی جانی دشمن ہوگئی تھی۔ آپ کو طرح طرح سے ستایا گیا اور ہر ممکن طریقہ سے آپ کو تنگ کیا گیا، آپ کا اور آپ کے گھر والوں کا بائی کاٹ بھی کیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں کی بندش بھی کی گئی، الغرض مکہ کا یہ پورا زمانہ آپ کی انتہائی مظلومی اور بظاہر بے بسی کا زمانہ تھا، اس کے بعد جب آپ گھر بار چھوڑ کر مکہ سے نکل جانے پر مجبور ہوئے اور مدینہ ہجرت فرمائی، تو ابتدا میں یہاں بھی کئی سال تک تنگی اور کمزوری ہی کا دور دورہ رہا، اور معاشی خوشحالی اور ترقی کی راہیں نہیں کھلیں۔ بہرحال نبوت کے بعد قریباً ۱۵۔۲۰ سال تک حالات کچھ ایسے ہی رہے کہ دنیا کے عیش و آرام کا بظاہر کوئی امکان بھی نہ تھا —— لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس کے بعد حالات بدل گئے، عرب کا خاصا وسیع رقبہ آپ کے زیر اقتدار آ گیا، ملکی فتوحات سے اور دوسری راہوں سے دولت کے ڈھیر آنے لگے، لیکن اس کے بعد بھی آپ کے طرز زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا، وہی غریبانہ اور فقیرانہ زندگی اس دور میں بھی رہی جو کہ پہلے دور میں تھی۔ آپ کے خادم خاص ابوہریرہؓ جو آپ کی زندگی کے انھیں آخری ۴ سالوں میں آپ کے ساتھ رہے ہیں جو فتوحات کے سال ہیں، اور جب آپ کو حکومتی اقتدار بھی حاصل ہوگیا ہے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ ''**توفی عنا النبی ﷺ ولم یشبع من خبز الشعیر**'' (حضور ﷺ وفات پا گئے اور کبھی جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کے آپ نے نہیں کھائی۔)

اسی طرح آپ کی رفیقۂ حیات اور محرم راز حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے جو حدیث کی مستند کتابوں میں محفوظ ہے: ''**واللہ ما شبع آل محمد ﷺ یومین متتابعین من خبز الشعیر**'' خدا کی قسم حضرت محمد ﷺ اور ان کے گھر والوں نے کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

ایک اور موقع پر ان ہی حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت عروہ سے بیان کیا کہ —— کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ہم لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے یعنی دو دو مہینے گذر جاتے تھے اور ہمارے گھروں میں چولہا گرم ہونے کی نوبت نہیں آتی تھی —— انھوں نے حیرت سے پوچھا کہ خالہ جان! پھر آپ لوگ زندہ کس چیز سے رہتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ بس پانی اور کھجور کے دانوں پر زندگی کے دن کٹتے تھے۔

حد یہ ہے کہ جو رات آپ کی زندگی کی آخری رات تھی اس رات میں بھی چراغ جلانے کے لئے تیل پڑوس کے گھر سے لینا پڑا تھا، اور آپ کی زرہ اس وقت ایک یہودی کے یہاں گروی رکھی تھی جس سے

آپ نے کچھ جواُدھار منگوائے تھے۔

یہ غریبی اور معیشت کی یہ تنگی اس وقت تھی جب کہ آپ عرب کے بڑے حصے کے فرمانروا بھی ہو چکے تھے اور غنیمت اور خمس اور جزیہ وغیرہ مختلف مدوں سے ہزاروں لاکھوں روپیہ آنے لگا تھا اور خود آپ اپنے ہاتھ سے اس کو تقسیم فرماتے تھے۔

اس سلسلہ میں آپ کی زندگی کا ایک واقعہ خاص طور سے قابل ذکر ہے جس کو قرآن مجید میں بھی محفوظ کر دیا گیا ہے ——— واقعہ یہ ہے کہ جب عرب کے ایک حصے پر آپ کا حکومتی اقتدار بھی قائم ہو گیا اور مختلف علاقوں میں پیدا ہونے والی چیزیں مدینہ طیبہ میں سرکاری طور پر درآمد ہونے لگیں اور خوشحالی والی زندگی گذارنے کے سامان اطراف واکناف سے کھنچ کھنچ کے آنے لگے، تو رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات یعنی آپ کی گھر والیوں نے باہم مشورہ کر کے آپ سے درخواست کی کہ اب پہلی سی مجبوری نہیں رہی ہے، اللہ کا فضل ہے، اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ گھر کے گذارہ میں بھی اب کچھ آسانی کی صورت ہو جائے، کم سے کم صرف اتنا ہو جائے کہ ایک فصل پر گھر کے خرچ کے لئے اتنا محفوظ کر دیا جایا کرے جو دوسری فصل تک گذارہ کے لئے کافی ہو جایا کرے، تاکہ آئے دن مہمانوں کے آنے جانے پر یا ایسی ہی کوئی ضرورت پڑ جانے پر پڑوسیوں کے گھروں سے جو قرض ادھار منگانا پڑ جاتا ہے یہ صورت نہ رہے اور روزمرہ کی ضرورتیں آسانی سے پوری ہوتی رہیں۔

——— آپ کی ان پاک بیویوں نے نہ اپنے لئے زیورات کی فرمائش کی تھی، نہ قیمتی کپڑوں کی، بس گھر میں اتنا محفوظ کرنے کی درخواست کی تھی جس سے دال روٹی کا مسئلہ آسان ہو جائے اور آئے دن قرض مانگنے کی ضرورت نہ پڑے ——— پھر آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا کیا جواب دیا؟۔آپ نے اس درخواست کو اپنے گھر والیوں کا اتنا بڑا قصور قرار دیا کہ ان سے بات کرنی بھی چھوڑ دی اور سب سے الگ تنہا ایک حجرہ میں رہنے لگے (کوئی محبوب شوہر سب سے بڑی سزا اپنی بیویوں کو یہی دے سکتا ہے) پورا ایک مہینہ گذر گیا، پھر اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی اور آپ کو حکم ہوا کہ اپنی بیویوں سے اس معاملہ میں آپ صاف بات کریں اور ان سے کہیں کہ اگر تم میرے گھر کے اس فقر و فاقہ کو اب برداشت نہیں کر سکتیں اور دنیا کا عیش و آرام اور یہاں کی آسائش و زیبائش تم کو مطلوب ہے تو میں تم کو آزادی دے سکتا ہوں، اور اگر تمہیں اللہ کی رضا اور اللہ کے رسول کی رفاقت اور آخرت کا عیش و آرام مطلوب ہے تو پھر اسی حال میں میرے ساتھ رہو، اور آخرت کے اس اجر و ثواب پر نظر رکھو جو اللہ تعالیٰ نے

نیک بیویوں کے لئے تیار کیا ہے۔ (قرآن مجید کے الفاظ اس موقع پر یہ ہیں۔) ''إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلاً . وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الآخِرَةَ فَإِنَّ اللهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کے سامنے اسی طرح یہ دونوں باتیں رکھیں اور ان سے کہا کہ تم ان دونوں میں سے کسی ایک کا اپنے لئے فیصلہ کرلو، اگر دنیا کا عیش وآرام چاہتی ہو تو خوشی سے آزادی لے لو، میرے گھر میں دنیا کا عیش نہیں مل سکے گا، اور اگر جدائی پر راضی نہیں ہو بلکہ میرے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہو تو پھر دنیا اور اس کے عیش وآرام کا خیال چھوڑ دو اور جس طرح فقر وفاقہ کی زندگی گذر رہی ہے ہمیشہ کے لئے اپنے کو اس پر تیار کرلو، چنانچہ اللہ کی وہ نیک بندیاں اپنی اس درخواست پر نادم ہوئیں اور انھوں نے عرض کیا کہ ہماری توبہ! ہم تو ہر حال میں آپ ہی کے قدموں میں رہیں گے۔

حضرات! بس یہی ایک واقعہ اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے کتنا حصہ لیا اور آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے حکومت سے کتنا نفع اٹھایا ——— اور سنئے!

آپ کی اولاد میں سے اس آخری زمانہ میں ایک صاحبزادی صرف حضرت فاطمہؓ رہ گئی تھیں جو قدرتی طور پر آپ کو بہت عزیز اور بہت پیاری تھیں، ان کا حال یہ تھا کہ آٹا خود پیستی تھیں جس سے ان کی ہتھیلیوں میں گٹے پڑ گئے تھے، پانی مشکیزہ بھر کے کنویں سے خود لاتی تھیں جس کی وجہ سے گردن کے پاس نیلے نشان ہو گئے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کہیں سے کچھ غلام اور کچھ کنیزیں آئیں (جنھیں آپ کو کام کاج کرنے کے لئے مختلف گھرانوں میں تقسیم ہی کرنا تھا) جب حضرت فاطمہؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے بھی استدعا کی کہ گھر کے کاموں میں ان کی مدد کے لئے ان کو بھی ان میں سے کوئی دے دیا جائے، لیکن آپ نے ایک ایک کر کے وہ سب دوسرے لوگوں کو دے دئے اور چہیتی صاحبزادی سے فرمایا، پیاری بیٹی! میں تم کو خادم سے اچھی چیز بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ رات کو سونے سے پہلے اللہ کو اس طرح یاد کرلیا کرو کہ ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہہ لیا کرو یہ تمہارے لئے غلام اور کنیز سے بہتر ہے، بیٹی نے پوری خوشدلی کے ساتھ اس کو منظور کرلیا۔ اور اسی طرح محنت ومشقت کی زندگی گذارتی رہیں۔

اور سنئے! ساری دنیا کا مسلمہ قانون ہے اور اسلام کا بھی عام قانون ہے کہ مرنے والا جو کچھ چھوڑے وہ حصہ رسدی اس کی اولاد کا یا دوسرے اہل خاندان کا اور گھر والوں کا ہوتا ہے ——— رسول اللہ ﷺ کی زندگی اگرچہ فقر وفاقہ کی تھی، لیکن قانونی طور پر کچھ جائداد آپ کی ملکیت میں تھی، جس کی آمدنی

آپ مختلف مدوں میں صرف فرما دیتے تھے، لیکن دنیا سے جاتے وقت اس بارے میں بھی آپ فرما گئے، کہ میری یہ جائداد اور جو کچھ بھی میں ترکہ چھوڑوں وہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، میرے وارثوں کا اور میرے گھر والوں کا اس میں حق نہیں ہے (مَاترکناہ صدقۃ)

اور سنئے! اسلامی حکومت کی آمدنی کی سب سے بڑی مدزکوۃ ہے، ہر مسلمان کو اپنے سرمایہ کا پورا چالیسواں حصہ ہر سال میں دینا پڑتا ہے زکوٰۃ کی اس مد سے ہر ضرورت مند مسلمان فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی اولاد اور اپنے خاندان والوں کو اس فائدہ سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا، اور اعلان فرما دیا کہ میرے خاندان والوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں —— اب اسلامی شریعت کا قانون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاندان والے اگر پیسے والے ہوں تو ان سے زکوٰۃ وصول تو کی جائے گی لیکن اگر وہ مفلس اور نادار ہوں تو زکوۃ سے ان کی مدد نہیں کی جائے اور آج تک اس قانون پر عمل ہو رہا ہے۔

حضرات! دنیا میں آپ سے پہلے بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر آئے، ان کی پیغمبری پر ہمارا ایمان ہے، بڑے بڑے رشی اور منی پیدا ہوئے جن کا نام عزت واحترام سے لیا جاتا ہے لیکن ایمان دھرم سے بتایئے اور خدا لگتی کہیئے کہ کسی نے بھی یہ نمونہ چھوڑا ہے ؎

آفاقہا گردیدہ ام　　　مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام　　　لیکن تو چیزے دیگری

پھر آپ کے اسی نمونہ اور اسی تعلیم و تربیت نے ابوبکر و عمر جیسے حکمران پیدا کئے، یہ اپنے زمانہ کی وسیع اور مضبوط ترین حکومت کے پورے بااختیار فرمانروا تھے خاص کر حضرت عمرؓ کے زمانے میں تو اس وقت کی سب سے بڑی دو شہنشاہیوں (رومی حکومت اور ایرانی حکومت) کے علاقے بھی ان کے زیر اقتدار آ گئے تھے اور وہ اپنے دور کے سب سے بڑے طاقتور فرمانروا تھے، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے بالکل فقیروں اور مسکینوں کی سی زندگی گذاری، اور حکومت سے نہ اپنی ذات کے لئے کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ اپنی اولاد اور اپنے خاندان والوں کو نفع اٹھانے کا کوئی موقع دیا۔

شاید آپ میں سے بہت سوں کو گاندھی جی کی یہ بات یاد ہو کہ ۳۶ء کے جنرل الیکشن کے بعد جب پہلی دفعہ سات صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہوئیں تو انھوں نے اپنے اخبار ہریجن میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں وزارتوں کو نصیحت کی تھی وہ ابوبکر و عمر کو بطور نمونہ کے اپنے سامنے رکھیں اور صاف لفظوں میں

کہا تھا کہ میں نے یہ دو نام اس لئے لکھے ہیں کہ مجھے تاریخ میں ان دو کے سوا کوئی حکمران ایسا نہیں ملتا جس نے خود فقیر رہ کر ایسی حکومت کی ہو۔

بلاشبہ گاندھی جی نے یہ بات بالکل صحیح کہی تھی ،لیکن گاندھی جی بھی جانتے تھے اور آپ سب حضرات بھی جانتے ہوں گے کہ ابوبکر وعمر میں یہ بات ان کے اور ہمارے ہادی برحق حضرت محمد ﷺ ہی کی تعلیم وتربیت سے آئی تھی۔

اگر ہمارے ارباب حکومت گاندھی جی کی اس نصیحت پر صرف پانچ فیصدی بھی عمل کرتے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت ہمارا یہ ملک ساری دنیا کی حکومتوں کے لئے ایک مثال ہوتا اور سارے مشرق اور مغرب کی رہنمائی کرتا۔

خیر! یہ بات تو اس وقت یوں ہی زبان پر آ گئی ورنہ مجھے آخری بات آپ حضرات سے یہ کہنی تھی ،حضرت محمد ﷺ کی تعلیم اور سیرت کے متعلق جو کچھ میں نے اس وقت عرض کیا ہے یہ بلا مبالغہ سمندر میں ایک قطرہ ہے اور ایک گھنٹہ کی تقریر میں اس سے زیادہ کہا بھی نہیں جا سکتا ——— اب آپ سب حضرات سے میری مخلصانہ درخواست ہے کہ جلسوں کی اس قسم کی تقریروں ہی پر آپ قناعت نہ کریں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور سیرت سے واقفیت حاصل کرنے کو زندگی کا ایک ضروری کام سمجھیں ،انشاء اللہ اس سے آپ کو وہ روشنی حاصل ہوگی جس سے آپ اپنی زندگی کے مسائل میں اور دنیا کے الجھے ہوئے مسئلوں میں بہت کچھ روشنی حاصل کر سکیں گے، آفتاب کے ہوتے ہوئے اس سے فائدہ نہ اٹھانا خود اپنے پر بہت بڑا ظلم ہے ۔آپ کے ملک کی عام چالو زبان اردو میں بھی رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور تعلیم پر کافی لٹریچر موجود ہے ،اور تھوڑا بہت تو دوسری ملکی زبانوں میں بھی مل جاتا ہے (اور اب تو اچھا خاصا لٹریچر دوسری زبانوں میں بھی موجود ہے ——— الفرقان)

میرے دوستو اور بھائیو! اللہ کے پیغمبروں اور دنیا کے روحانی ہادیوں میں صرف آپ کی ایک شخصیت ایسی ہے کہ آپ کی زندگی کے چھوٹے بڑے واقعات اور آپ کی تعلیم کو اتنی تفصیل سے اور اتنے مستند طریقے سے تاریخ میں محفوظ کیا گیا ہے اور ایسا ریکارڈ کیا گیا ہے کہ میرے اور آپ کے لئے آج یہ بالکل ممکن ہے کہ ہم بالکل اس طرح آپ کی زندگی کا مطالعہ کریں جس طرح آپ کے پڑوسیوں اور آپ کے سنگ ساتھ والوں نے آپ کی زندگی میں کیا تھا۔

میں اس وقت بغیر کسی پرواہ کے صاف کہنا ہی بہتر سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی

اور آپ کی تعلیم سے متعلق جو مستند تاریخی ذخیرہ موجود ہے میں خود جب اس کا مطالعہ کرتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں آپ کو اور آپ کے مشاغل اور آپ کے پورے ماحول کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور آپ کے ارشادات گویا اپنے کانوں سے سن رہا ہوں، میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ اپنے بہت سے ان بزرگوں اور دوستوں کو جن کے ساتھ میرا رہنا سہنا ہوا ہے اتنا میں نہیں جانتا جتنا کہ مستند تاریخ کے ذریعہ اپنے ہادی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا ہوں —— اور اس میں میری کوئی خصوصیت نہیں ہے، آپ میں سے جو شخص بھی نیک نیتی کے ساتھ آپ کی تعلیم و سیرت کا مطالعہ کرے گا انشاء اللہ وہ ایسا ہی محسوس کرے گا —— یہ بات میں اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی کہتا ہوں اور غیر مسلم بھائیوں سے بھی کہتا ہوں۔ دنیا کی بہت بڑی محرومی ہے کہ ایسی اعلیٰ رہنمائی کا سامان موجود ہوتے ہوئے اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ آنکھیں، وہ کان اور وہ دل نصیب فرمائے جس سے ہم حقیقتوں کو صحیح طور پر دیکھ سکیں، سن سکیں اور سمجھ کے ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی رسولہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

[حضرت مولانا نعمانیؒ کی یہ تقریر ۱۹۵۶ء میں ایک ایسے اجتماع میں ہوئی تھی جس میں مسلمانوں کے علاوہ تعلیم یافتہ غیر مسلم حضرات کی بھی خاصی تعداد موجود تھی، یہ تقریر الفرقان: صفر ۱۳۷۷ھ (ستمبر ۱۹۵۷) میں شائع ہوئی تھی۔]

☆☆☆

پُر مسرت اطلاع

ہمارے معزز قارئین اب اپنے پسندیدہ رسالے ماہنامہ الفرقان کے ہر ماہ کے تازہ شمارے کو انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ماہنامہ الفرقان کی E-Copy پڑھنے کے لئے www.taubah.org پر لاگ آن کریں۔ ۲۰۱۱ کے پورے سال کے شمارے بھی نیٹ پر دستیاب ہیں۔

نوٹ: ہر ماہ کا شمارہ اُس ماہ کی ۱۴ تاریخ کے بعد نیٹ پر پڑھا جاسکتا ہے

شیخ فتح اللہ گولن

دُعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات کا اہم باب

[ترک قوم کی اسلام کی طرف واپسی میں وہاں کی دورِ حاضر کی جن شخصیات کا نمایاں کردار ہے اُن میں ایک شخصیت شیخ فتح اللہ گولان کی بھی ہے۔ ذیل میں جو مضمون آپ ملاحظہ فرمائیں گے، وہ اُن کی کتاب ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورِ سرمدی'' سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔ جن میں اردو بھی شامل ہے۔ —— مدیر]

۱۔ دعا: عبادت کا مغز

دعا نہ صرف عبادت ہے[۱] بلکہ عبادت کا مغز ہے[۲] دعا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع سے عبارت ہے۔ دعا پر گفتگو کئے بغیر عبادت کے موضوع کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ ارشاد خداوندی ہے: ''قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (الفرقان: ۷۷)'' کہہ دو کہ اگر تم (خدا کو) نہیں پکارتے تو میرا پروردگار بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں کرتا۔'' ''اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ '' (المؤمن: ۶۰)'' تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔''

دعا بندے اور خدا کے درمیان مضبوط رابطے کا ذریعہ ہے، دوسرے لفظوں میں یہ خدا کے حضور بندے کی التجا پیش کرنے کی ایک صورت ہے۔ ہر ایسی چیز جو بندہ حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اپنے وسائل کے ذریعہ اسے نہیں پاسکتا، وہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے۔ قادر مطلق ذات کے حضور یہ التجا دعا کہلاتی ہے۔

---

[۱] الترمذی، تفسیر القرآن (۳) ۱۶، ۴۰۔ ابن ماجہ، الدعاء، ۱۔ المسند، الامام احمد، ۴، ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۲۔ [۲] الترمذی، الدعاء، ۱۔ کنز العمال، الہندی۔ ۲/ ۶۲۔

آج ہماری زندگی میں دعاؤں کا دائرہ پنج وقتہ نمازوں اور بعض دیگر عبادات کی اختتامی دعاؤں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ دنیوی اور اخروی زندگی کی بہت سی ضروریات دعا کے دائرے سے خارج ہو چکی ہیں، حالانکہ دعا کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں۔ زندگی آغاز سے اختتام تک دعا سے عبارت ہے۔ دعا رضائے الٰہی کا پروانہ اور جنت کے دروازے کی کنجی ہے۔ یہ بندے کی طرف سے اپنے پروردگار کے حضور پیش کئے جانے والے نذرانۂ بندگی کی نشانی اور پروردگار کی طرف سے اپنے بندے پر رحمت کا اظہار ہے۔[1] دوسرے لفظوں میں یہ بندے اور خدا کے درمیان تعلق کا نقطۂ اتصال ہے۔ یہ عبادت کے ساتھ ساتھ ایسی معراج ہے، جس کے ذریعہ دنیا کا ماورائے دنیا کے ساتھ رابطہ قائم ہوتا ہے۔ یہ درجہ بدرجہ انسان کو قرب خداوندی کی طرف لے جانے والا مقدس زینہ ہے۔

دعا ہم پر رحمت خداوندی کا باعث ہے۔ یہ قہر خداوندی کی بجلیوں کو ہم پر گرنے سے روکتی ہے۔ دعا رحمت الٰہیہ کے حصول اور غضب خداوندی کو دور کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ عام طور پر انسان کو دعا کا خیال اس وقت آتا ہے، جب معاملہ اس کے ہاتھ سے نکلنے لگتا ہے، حالانکہ ہر آن اور ابتدا سے ہی دعا کا اہتمام ہونا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعا کے نقطۂ آغاز یا اختتام کا تعین نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ انسان کی زندگی میں کوئی لمحہ ایسا نہیں، جس میں اسے دعا کی ضرورت نہ ہو۔ جو انسان کسی بھی لمحے تجلیات الٰہیہ اور رحمت خداوندی سے دور نہیں ہونا چاہتا، اس کے لئے دعا سے دور ہونا ممکن نہیں، کیونکہ دعا کے ذریعہ انسان اپنے پروردگار کا در کھٹکھٹاتا ہے، اسی کے ذریعہ اس سے ہم کلام ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ رحمت الٰہی کی برسات کو سمیٹتا ہے۔

دعا ہماری طرف سے درخواست ہے۔ اس کے ذریعہ ہم اپنی تمام مادی اور روحانی ضروریات مانگتے ہیں، تاہم اکثر اوقات ہمیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہم کیا اور کیسے مانگ رہے ہیں، جس کی وجہ سے دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دعا کرنے والا چاہتا ہے کہ اس کے سوال کردہ معاملات قادر مطلق کی منشا کے بجائے اس کے ارادے اور خواہش کے مطابق حل ہوں، یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی خواہشات کو جلد اور اپنی مرضی کے مطابق پورا ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں اور جب ہماری خواہشات پوری نہیں ہوتیں تو ہم مایوس ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوئیں، دوسرے لفظوں میں ہم خدا کی مشیت مطلقہ کو اپنے جزوی ارادے کے تابع کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ بات دعا کے آداب کے منافی

---

[1] الترمذی، الدعاء، ۱۔ ابوداؤد، الصلاۃ، ۲۳۔ الفردوس، الدیلمی، ۲/ ۲۲۴۔

ہے اور ایسی دعائیں خدا اور اس کے بندے کے درمیان رابطے کا کام نہیں دیتیں۔ دعا کے آداب وشرائط کی رعایت دعا کی قبولیت کا اہم ترین وسیلہ ہے۔

بسا اوقات دعا شدید خواہش اور شوق کی صورت میں دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے، ایسی کیفیت میں بندہ زبان سے کچھ نہیں کہتا، لیکن وہ جانتا ہے کہ علام الغیب ذات اس کے حال سے واقف ہے۔ وہ اعتماد اور بھروسے کی اس کیفیت کو بالکل اسی طرح زیادہ سے زیادہ دیر برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے، جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے آگ میں پھینکے جانے کے وقت اسے برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی اور جب تمام راستے مسدود اور تمام امکانات ختم ہوگئے تو بالکل غیر متوقع طور پر امر الٰہی ''قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (الانبیاء:۶۹) ''ہم نے حکم دیا اے آگ! سرد ہوجا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا)'' ان کی مدد و نصرت کے لئے آپہنچا۔

دعا کی ایک صورت اپنے دلی احساسات کو الفاظ کی صورت میں رب العالمین کے حضور پیش کرنے کی ہے۔ اس صورت میں کبھی تو بندہ صرف اپنا حال پیش کرتا ہے اور کبھی سوال بھی کرتا ہے۔ قرآن کریم میں انبیائے کرام کی زبانی دونوں کی قسم کی دعاؤں کی مثالیں موجود ہیں، پہلی قسم کی مثال حضرت ایوبؑ کی دعا ''وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٨٣﴾ (الانبیاء:۸۳) اور ایوب (کو یاد کرو) جب انھوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ مجھے ایذا ہو رہی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے''۔ اور حضرت یونسؑ کی دعا ''لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٧﴾'' (الانبیاء:۸۷) ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں۔'' اسی قسم کی دعاؤں کی مثال ہے۔ دوسری قسم کی مثال حضرت زکریاؑ کی دعا ''رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾'' (آل عمران:۳۸) پروردگار! مجھے اپنے جناب سے اولاد صالح عطا فرما۔ تو بے شک دعا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔'' ہے۔

قرآن کریم کا دعا کا اہتمام کرنا اور نبی کریم ﷺ کو دعاؤں کی تعلیم دینا اس موضوع کی اہمیت کی دلیل ہے۔ اگر اس کی اتنی اہمیت نہ ہوتی تو قرآن کریم سیکڑوں آیات میں دعاؤں کے موضوع پر کیوں زور دیتا۔ مزید برآں بہت سی احادیث مبارکہ دعا کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے امت مسلمہ کو زندگی کے مختلف مواقع پر دعاؤں کی تعلیم دیتی ہیں۔ انسان کو دعا کے دوران اپنے احساسات، افکار اور خواہشات کو بہترین

اسلوب اور جامع الفاظ میں تعبیر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔اس ضرورت کو سب سے پہلے قرآن کریم اور پھر احادیث مبارکہ احسن طریقے سے پورا کرتے ہیں۔

یہ بالکل فطری بات ہے کہ جس خدا نے ہمیں دعا مانگنے کا کہا ہے وہی ہمیں دعا کرنے کا طریقہ بھی سکھائے، نیز چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ معرفت حاصل تھی اور آپ نے اپنے مولیٰ کے درِ رحمت کو سب سے زیادہ کھٹکھٹایا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو دعاؤں کی سب سے بہتر، دلکش مؤثر اور بابرکت تعبیرات سکھائی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحبِ استقامت انسان تھے۔بندگی استقامت کا دوسرا نام ہے۔ارشاد خداوندی ''وَأَنِ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ (یٰسین :۶۱)''اور یہ کہ میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے''۔اسی حقیقت کی طرف مشیر ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام حرکات وسکنات سے توازن جھلکتا تھا۔دنیا کی فتح کے لئے فوجیں بھیجتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چیونٹی کو بھی بلاوجہ تکلیف نہ پہنچانے کے اصول پر کاربند رہتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسباب کو اختیار فرمایا۔لیکن دعا سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوئے۔

جو شخص رات دن دعا اور مناجات سے بھرپور زندگی، دعا کے اسرار وآداب اور اس کے مادی و روحانی ثمرات دیکھنے کا خواہشمند ہو اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے۔

سیکڑوں مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی دعاؤں کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔اس سلسلہ کی تازہ ترین کڑی ''مجموعہ ادعیہ ماثورہ'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے[1] اس کتاب کی تالیف میں اختصار اور عملی پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے۔اس کے مطالعہ سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ دعاؤں کے سلسلہ میں کوئی انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔یوں لگتا ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ خدا کے حضور دعا کرتے ہوئے گذارا ہو۔اگر کوئی انسان ساری زندگی صرف دعا میں ہی مشغول رہے پھر بھی اس کی دعاؤں کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی دعاؤں سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر گوشے میں دعاؤں کا عنصر شامل تھا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں اور زبان پر ہر لمحہ کوئی نہ کوئی دعا رہتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آب کوثر سے کبھی استغناء نہیں برتا۔جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فعال اور متحرک انسان تھے، وہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحبِ دعا اور عبادت گذار انسان بھی تھے۔

---

[1] یہ مصنف کی تالیف ہے۔(عربی مترجم)

صحابۂ کرام بھی عبادت کا خصوصی ذوق رکھتے تھے۔لیکن جب وہ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلنے کی کوشش کرتے تو تھک ہار کر پیچھے رہ جاتے۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی تھکاوٹ واکتاہٹ کے سفر عبادت جاری رکھتے۔اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق ہی ہمیشہ آگے آگے چلنے کے لئے کی تھی،حتی کہ معراج کے موقع پر جب جبرائیلؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کی تو ایک مقام پر پہنچ کر وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزید چلنے سے عاجز آ گئے۔بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیر الی اللہ میں فرشتوں پر بھی سبقت لے جانے والے انسان تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا اور اس کے شعور کے اعلی ترین مقام پر فائز تھے۔جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور جلال و جمال کا مشاہدہ کرتے،لیکن کبھی سیر نہ ہوتے۔بلکہ یوں فرماتے:''اے اللہ!ہم نے آپ کی معرفت کا حق ادا نہیں کیا۔''درحقیقت معرفت خداوندی کا احاطہ نہ کر سکنے کا اعتراف ہی معرفت ہے۔یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے:''ادراک سے عاجز آجانا ہی ادراک ہے۔''کیونکہ وہ ہمیشہ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ؟''کے آفاق میں محو پرواز رہتے تھے۔

۲۔گلدستۂ ادعیہ مسنونہ

چونکہ اس موضوع پر ہم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کی حیثیت سے گفتگو کر رہے ہیں،اس لئے یہاں ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام دعاؤں کا تذکرہ نہیں کریں گے۔بلکہ بطور نمونے کے صرف چند ایک کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

الف: سونے سے پہلے کی دعائیں

سونے کے لئے لیٹنے والے شخص کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ نیند موت کی بہن ہے۔[۱] کیونکہ بسا اوقات انسان سوتا ہے لیکن اسے اٹھنا نصیب نہیں ہوتا،لہٰذا انسان کو غفلت کی حالت میں بستر پر دراز نہیں ہونا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے سے پہلے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات،اس کی آخری تین آیات[۲] آیت الکرسی[۳] سورہ یٰسین[۴] سورۂ سجدہ[۵] اور سورہ ملک[۶] کی تلاوت فرماتے۔نیز سورہ اخلاص معوذتین تین تین

---

[۱] مجمع الزوائد الہیثمی،۱۰/۱۵۴۔حلیۃ الاولیاء،ابونعیم ۷/۹۰۔ [۲] الدارمی،فضائل قرآن،۱۴۔ [۳] الترمذی،فضائل القرآن،۲۔ الدارمی،فضائل القرآن،۱۴۔ [۴] مجمع الزوائد الہیثمی،۷،۹۷۔المطالب العالیۃ،ابن حجر ۳/۳۶۱۔ [۵] الترمذی،فضائل القرآن ۸۔ المطالب العالیۃ،ابن حجر ۳/۳۵۸۔ [۶] الترمذی،فضائل القرآن ۹۔الدعوات،۲۲۔

باراور سورہ کافرون ایک بار پڑھ کر [1] اپنے ہاتھوں پر اس طرح دَم کرتے کہ لعاب دہن کی کچھ چھینٹیں بھی ہاتھوں پر پڑ جاتیں، پھر جہاں تک ہاتھ پہنچتے انھیں بدن پر پھیرتے۔ [2] ان کے علاوہ آپ ﷺ اور بھی دعائیں پڑھتے تھے، لیکن ہم طوالت کے خوف سے انھیں یہاں ذکر نہیں کر رہے۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات ان کے ذریعہ اپنی زندگی کو منور کرنے کے لئے اوپر ذکر کردہ کتاب اور مسنون دعاؤں کے دیگر مجموعوں کی طرف مراجعت کر سکتے ہیں۔

ب۔ بستر میں داخل ہونے کی دعائیں

بستر میں داخل ہوکر آپ ﷺ ۳۳بار سبحان اللہ، ۳۳بار الحمدللہ اور ۳۳یا ۳۴بار اللہ اکبر پڑھتے اور بہت سی دعائیں مانگتے۔ [3] جن میں سے ایک دعا حسب ذیل ہے:

”اللّٰھُمّ أسلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَ وَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ وَ فَوَّضْتُ أَمْرِیْ اِلَیْکَ وَ أَلْجَأْتُ ظَھْرِی اِلَیْکَ رَغْبَۃً وَ رَھْبَۃً اِلَیْکَ، لَا مَلْجَأَ وَ لَا مَنْجَأَ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ، آمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ أَنْزَلْتَ، و نَبِیِّکَ الَّذِیْ أَرْسَلْتَ“۔ [4] اے اللہ! میں نے اپنی ذات آپ کے سپرد کی، اپنا رخ آپ کی طرف پھیرا، اپنا معاملہ آپ کے حوالہ کیا، خوشی اور خوف کی حالت میں میں نے اپنے آپ کو آپ کے سپرد کیا اور میں آپ کی نازل کردہ کتاب اور آپ کے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لایا۔ **”اللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ، بِاسْمِکَ أَمُوْتُ وَ أَحْیا“** اے اللہ! جس دن آپ اپنے بندوں کو اٹھائیں گے اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچانا، میں آپ کے نام پر مرتا اور جیتا ہوں۔ [5]

اس کے بعد آپ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ سر کے نیچے رکھتے، اپنے گھٹنوں کو تھوڑا سا موڑتے اور قیام اللیل کے لئے اٹھنے کی نیت کرکے دائیں کروٹ پر سوجاتے۔ [6] آپ ﷺ عمر بھر رات کے آخری پہر میں اپنے خالق کے سامنے کھڑے ہونے کی لذت اٹھانے کے لئے قیام اللیل کے شوق و اشتیاق کے جذبے سے سرشار رہے۔

---

[1] ابوداؤد، الادب، ۹۸۔ الترمذی، الدعوات ۲۱، ۲۲۔ [2] البخاری، الدعوات ۱۲۔ الترمذی، الدعوات ۲۱، ۲۲۔ ابوداؤد، الادب ۹۷، ۹۸۔ ابن ماجہ، الدعا ۱۵۔ [3] البخاری، الدعوات ۱۱، مسلم، الذکر ۸۰۔ [4] البخاری، الدعوات ۶، ۷۔ مسلم، الذکر ۵۶، ۵۷۔ الترمذی، الدعوات ۱۶۔ [5] مسلم، الذکر ۵۹۔ ابوداؤد، الادب ۹۷، ۹۸۔ المسند، الامام احمد ۱، ۴۰۰، ۴۱۴۔ [6] ابوداؤد، الادب ۹۷، ۹۸۔ ابن ماجۃ، الدعا ۱۵۔ المسند، الامام احمد ۱، ۴۰۰، ۴۱۴۔

ج: تہجد کے وقت کی دعا

نماز تہجد کے لئے اٹھتے وقت آپ ﷺ درج ذیل دعا پڑھا کرتے تھے: ''اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، لَكَ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، لَكَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ''[1] ''اے اللہ! آپ ہی کو سب تعریفیں سزاوار ہیں۔ آپ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ان کو سنبھالنے والے ہیں۔ آپ ہی کو سب تعریفیں سزاوار ہیں۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے پر آپ ہی کی بادشاہت ہے۔ آپ ہی کو سب تعریفیں سزاوار ہیں۔ زمین و آسمان کی روشنی آپ ہی سے ہے''۔ رات کی تاریک گھڑیوں میں اس دعا کے الفاظ بڑے معنی خیز ہوتے ہیں۔ رات کے وقت آسمان اپنی عظمت اور خوبصورتی کا مظاہرہ کررہا ہوتا ہے، ستارے پوری آب و تاب سے جگمگا رہے ہوتے ہیں، ذکر خدا سے معمور دل پر معانی کا الہام ہو رہا ہوتا ہے، زمین آسمان سے سرگوشیوں میں مصروف ہوتی ہے اور زمین و آسمان کے خالق کی حمد و ثنا بلند ہو رہی ہوتی ہے۔

بہت سے علماء کی رائے میں لفظ ''القیوم'' اسم اعظم ہے۔ نبی کریم ﷺ اس کی تجلیات سے مستفید ہونے کے لئے اکثر اوقات اسی نام سے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے تھے۔ چونکہ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور ملکیت ہے، اس لئے وہ مَلِک اور مالک ہے۔

آپ ﷺ کے صدق اور وفائے عہد کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نیند سے اٹھتے ہی چند گھنٹے پہلے کئے گئے عہد کی تجدید کرنے لگتے ہیں، چونکہ آپ ﷺ نیند کے عالم سے عالم شہود کی طرف آرہے ہوتے ہیں، اس لئے آپ تجدید عہد کو ضروری خیال کرتے ہیں، پھر آپ ﷺ اپنی سابقہ دعا کو درج ذیل الفاظ سے مکمل فرماتے ہیں:

''وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ۔ اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ - أَوْ - لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ''[2] ''اور آپ ہی کو سب تعریفیں سزاوار ہیں۔ آپ حق ہیں۔ آپ کا وعدہ حق ہے۔ آپ کی ملاقات حق ہے۔ آپ کی بات حق

---

[1] البخاری، التہجد ۱۔ التوحید ۸، ۳۵۔ مسلم، صلاۃ المسافرین ۱۹۹۔ المسند، الامام احمد ۱/ ۳۵۸۔ [2] ایضاً

ہے۔جنت حق ہے۔دوزخ حق ہے۔تمام انبیاء برحق ہیں۔محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق ہیں۔اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو آپ کے سپرد کیا۔آپ پر ہی میں ایمان لایا۔آپ پر ہی میں نے بھروسہ کیا۔آپ ہی کی طرف میں نے رجوع کیا۔آپ ہی کی مدد سے میں نے مخاصمت کی،اور آپ ہی کے پاس میں اپنا مقدمہ لے کر آیا۔آپ میرے اگلے پچھلے اور ظاہری و باطنی گناہ معاف فرمادیجئے۔آپ ہی سب سے پہلے ہیں اور آپ ہی سب کے بعد ہیں۔آپ کے سوا کوئی معبود نہیں— یا یوں فرمایا— آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں''۔

سونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا ہر معاملہ اللہ تعالی کے سپرد کرتے تھے،نیند سے بیدار ہوتے ہی اس کی تجدید فرماتے اور اپنے نئے دن کا آغاز اللہ تعالی کے حضور مکمل تسلیم ورضا کے اظہار سے کرتے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس دعا کا اختتام اس حقیقت ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کے اظہار پر فرماتے،کیونکہ اگر انسان اللہ تعالی سے مدد نہ مانگے تو اپنے کندھوں پر پڑنے والی ذمہ داریوں کو کبھی نہیں اٹھا سکتا۔ایمان، توکل اور تسلیم ورضا کی توفیق صرف مشیت ایزدی سے مل سکتی ہے،لہٰذا ہر انسان اللہ تعالی کی مدد کا محتاج ہے۔

اس قسم کے روحانی ماحول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریک رات کے پردوں کو اپنے آنسوؤں سے نمناک کرنے کے لئے نماز میں مصروف ہوجاتے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہائی میں نفل نماز پڑھتے تو لمبی لمبی رکعات پڑھتے اور ان میں خوب دعائیں مانگتے۔[1] نماز کے آغاز میں سورہ فاتحہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درج ذیل دعا مانگتے اور بعض اوقات کچھ اضافے بھی فرماتے۔''اَللّٰھُمَّ لَامَانِعَ لِمَاأَعْطَیْتَ وَلَامُعْطِیَ لِمَامَنَعْتَ،وَلَایَنْفَعُ ذَاالْجَدِّمِنْکَ الْجَدُّ''[2] اے اللہ! آپ جو چیز عطا کرنا چاہیں اسے کوئی روک نہیں سکتا،اور آپ جسے روکنا چاہیں اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں اور کسی مالدار کو اس کا مال آپ کے مقابلے میں فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔بعض اوقات یہ دعا مانگتے:''اَللّٰھُمَّ بَاعِدْبَیْنِی وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَابَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ،اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَایُنَقَّی الثَّوْبُ الْأَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔''[3] اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان ایسے ہی دوری پیدا کردیجئے جیسے آپ نے مشرق ومغرب کے درمیان دوری پیدا کی ہے اور مجھے میری خطاؤں سے ایسے پاک فرمادیجئے جیسے سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کردیا جاتا ہے۔اس کے بعد ثنا پڑھتے اور پھر اس ساری تسبیح وتقدیس کے بعد سورہ فاتحہ شروع فرماتے۔

---

[1] البخاری،التہجد ا۔مسلم،صلاۃ المسافرین ۱۲۵،۲۰۳،۲۰۴۔ [2] البخاری ،الدعوات ۱۸۔ مسلم،الصلاۃ ۱۰۸۔ [3] البخاری ،الاذان ۸۹،الدعوات ۳۹۔مسلم،المساجد ۱۴۷۔ [4] ابوداؤد،الادب ۱۰۱۔الترمذی،الدعوات ۷۸۔

درحقیقت اس وقت کی نماز میں آپ ﷺ اور دعائیں بھی مانگتے تھے لیکن اختصار کے پیش نظر ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہوئے قارئین کو ''مجموعۂ ادعیہ ماثورہ'' کی طرف مراجعت کا مشورہ دیتے ہیں۔

و: صبح کے وقت بیداری کی دعا

صبح کے وقت آپ ﷺ کی زبان پر درج ذیل دعا جاری ہوتی: **اَللّٰھُمَّ اِنِّی أَصْبَحْتُ أُشْھِدُکَ وَ أُشْھِدُ حَمَلَۃَ عَرْشِکَ وَ مَلَائِکَتِکَ وَ جَمِیْعَ خَلْقِکَ أَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَ أَنَّ مُحَمداً عَبْدُکَ وَ رَسُوْلُکَ۔**''[1] اے اللہ! صبح ہوگئی۔ میں آپ کو، آپ کے عرش کو اٹھانے والوں کو، آپ کے فرشتوں کو اور آپ کی ساری مخلوق کو گواہ بناتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ آپ کے بندے اور رسول ہیں۔

آپ ﷺ ساری مخلوقِ خدا، درختوں، پتوں اور ان کی سرسراہٹ، دریاؤں، ندی نالوں، آبشاروں اور ان کے پانی کے گرنے کی آواز کو گواہ بناتے تھے اور پھر اس گواہی کے ساتھ اپنی رسالت کی گواہی کو بھی شامل فرما کر ان ساری گواہیوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش فرماتے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس دعا سے آپ ﷺ کے شعوری افق کی وسعت، ادراک کی گہرائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کے تعلق کی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے، اگر آپ ﷺ کے سوا کوئی اور ان الفاظ کو دہرائے تو اسے آپ ﷺ کی طرح ان الفاظ کی گہرائی کا ادراک نہیں ہوگا۔

آپ ﷺ نے ساری کائنات، خصوصاً مقرب فرشتوں اور کائنات پر نظر رکھنے والے آسمان کے مکینوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور حمد وثنا پر گواہ بنایا۔ رسول اللہ ﷺ کے فرشتوں کو گواہ بنانے سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بڑے در کو کھٹکھٹانے کے لئے کسی ایسے ہاتھ کی تلاش بھی ضروری ہے، جس کے ذریعہ اسے کھٹکھٹایا جائے، یہی وجہ ہے کہ ہم حضرت عمر بن الخطاب جیسے صاحب فراست انسان کو دیکھتے ہیں کہ انھوں نے مدینہ میں قحط سالی کے سال حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلے سے بارش کی دعا فرماتے ہوئے فرمایا: ''**اَللّٰھم ھٰذا عَمُّ نَبِیِّک ﷺ نَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِہٖ فَاسْقِنا**''[2] ''اے اللہ! یہ آپ کے نبی ﷺ کے چچا ہیں، ہم ان کے وسیلے سے آپ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ہمیں بارش عطا فرما۔'' ابھی وہ اپنی جگہ سے اٹھے نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمادی۔

---

[1] ابوداؤد، الادب ۱۰۱۔ الترمذی، الدعوات ۷۸۔ [2] البخاری، الاستسقاء ۳۔ فضائل اصحاب النبی ۱۱۔

یہ حضرت عمرؓ کی فراست کا نتیجہ تھا۔ (شاید) انھوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دعا کے دوران فرشتوں کو گواہ بنانے سے اخذ کی تھی۔ اسی شعور کے تحت دور حاضر کے عظیم داعی (شیخ بدیع الزماں سعید نورسی) دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''الٰہی! گناہوں نے میری زبان گنگ کر دی ہے، معاصی کی کثرت نے مجھے شرمندہ کر دیا ہے اور غفلت کی شدت نے میری آواز کو پست کر دیا ہے، میں آپ کی رحمت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں اور آپ کے در مغفرت پر سیدی وسندی شیخ عبدالقادر جیلانی کی آپ کے یہاں مقبول و مانوس آواز کے ذریعہ صدا لگاتا ہوں: ''اے وہ ذات! جس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے، جسے کوئی چیز نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان، جس پر کوئی چیز غالب آسکتی ہے اور نہ مخفی رہ سکتی ہے، جسے کوئی چیز تھکا سکتی ہے اور نہ وہ کسی چیز کی مدد کی خواہاں ہے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صبح کی دعاؤں میں درج ذیل دعا بھی شامل ہے:

''**اللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ذَاالْجَلَالِ وَالْاکْرَامِ، اِنِّی أَعْھَدُ اِلَیْکَ فِی ھٰذِہِ الْحَیَاۃِ أَنِّی أَشْھَدُ أَنْ لَااِلٰہَ اِلَّا أَنْتَ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَکَ**''۔ ''اے زمین وآسمان کو پیدا کرنے والے! اے غیب وشہادت کو جاننے والے! اور اے عزت وبزرگی والے! میں آپ سے اس دنیا کی زندگی میں عہد کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ یکتا ہیں اور آپ کا کوئی شریک نہیں''[۲]

اس دعا میں ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیگر اسمائے حسنیٰ مثلاً باری، خالق اور جاعل وغیرہ کے بجائے ''فاطر'' کا لفظ استعمال فرمایا، جس سے (شاید) درج ذیل معانی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے'' آپ نے زمین وآسمان کو قوانین فطرت کے مطابق پیدا کیا، آپ نے نظام کو وجود بخشا اور ان قوانین کو صاف ستھری اور روشن صورت عطا فرمائی''

ہ: شام کے وقت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعائیں

طلوع شمس کے بعد اور صبح کے آغاز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مذکورہ بالا دعا اور اس کے علاوہ دسیوں

۱۔ حزب انوار حقائق النوریۃ، بدیع الزماں سعید نورسی، ص ۲۶۶۔ ۲۔ الترمذی، الدعوات ۹۴۔ ابوداؤد، الادب ۱۰۱۔ المسند، الامام احمد ۱ / ۴۱۲

دوسری دعائیں مانگتے تھے۔غروب آفتاب اور تاریکی چھانے کے فوراً بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روشنی اور نور کا باعث بننے والی درج ذیل دعا فرماتے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شامیں آپ کی صبحوں کی طرح منور ہوتی تھیں اور آپ کی دعائیں مثل قنادیل تھیں، جنھیں جلانا آپ کبھی نہ بھولتے: ''اللّٰھم اِنّی اَمْسَیْتُ اُشْھِدُکَ وَ اُشْھِدُ حَمَلَةَ عَرْشِکَ وَمَلَائِکَتِکَ وَجَمِیْعَ خَلْقِکَ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ۔''[۱] ''اے اللہ! شام ہوگئی۔میں آپ کو، آپ کے عرش کو اٹھانے والوں کو، آپ کے فرشتوں کو اور آپ کی ساری مخلوق کو گواہ بناتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے بندے اور رسول ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا ایک ایک رکن عرش کی طرف جانیوالی نورانی سیڑھی کی مانند تھا اور آپ کی دعائیں اس سیڑھی کے زینے تھے۔

نماز کی تیاری کے ماحول اور نماز کے نورانی ماحول کے درمیان گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت نکلتے وقت، وضو کے آغاز میں، وضو کے دوران اعضا کو دھوتے ہوئے، وضو کے بعد، اذان کے بعد، نماز کے آغاز میں، مسجد کی طرف جاتے ہوئے، مسجد سے نکلتے ہوئے، تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع میں، قیام میں، سجدہ میں، دو سجدوں کے درمیان، تشہد میں اور نماز پڑھنے کے بعد دعائیں مانگتے تھے۔

و: نماز کے دوران مانگی جانے والی دعائیں

تکبیر تحریمہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسب ذیل دعا فرماتے: ''اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ' اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُکَ، ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعاً، اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ''[۲] میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا، جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز، قربانی، اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔اے اللہ! آپ بادشاہ ہیں۔آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔آپ میرے پروردگار ہیں اور میں آپ کا بندہ ہوں۔میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔آپ میرے سارے گناہوں کو معاف فرما دیجئے۔آپ کے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخش سکتا۔

---

[۱] ابوداؤد، الادب ۱۰۱۔الدارمی، الاستئذان ۵۴۔ص [۲] مسلم، صلاۃ المسافرین ۲۰۱، الترمذی، الدعوات ۳۲۔

رکوع میں آپ ﷺ ایک دعا یہ بھی مانگتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَلَکَ أَسْلَمْتُ ،خَشَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَمُخِّیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ وَمَااسْتَقَلَّتْ بِہٖ قَدَمِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔''[1] ''اے اللہ! میں آپ کے لئے جھکا ہوں، آپ پر ایمان لایا ہوں، اپنے آپ کو آپ کے سپرد کیا۔ میرے کان، آنکھ، ذہن اور گوشت و پوست سب آپ کی طرف متوجہ ہیں اور جس زمین پر میں کھڑا ہوں وہ اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔''

اور رکوع سے اٹھتے وقت آپ ﷺ یہ دعا فرماتے: ''اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ مِلأَ السَّمٰوَاتِ وَمِلأَ الْاَرْضِ وَمِلأَ مَابَیْنَھُمَاوَمِلأَ مَاشِئْتَ مِنْ شَیْئٍ بَعْد''۔[2] ''اے اللہ! آپ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ آپ چاہتے ہیں اس کے برابر تعریف کے سزاوار ہیں۔''

اور سجدے میں آپ ﷺ یہ دعا فرماتے: ''اَللّٰھُمَّ لَکَ سَجَدْتُّ وَبِکَ آمَنْتُ وَلَکَ أَسْلَمْتُ، سَجَدَ وَجْھِیْ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَصَوَّرَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ، تَبَارَکَ اللّٰہُ أَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ دِقَّہٗ وَجَلَّہٗ وَاَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ وَسِرَّہٗ''۔[3] ''اے اللہ! میں نے آپ کو سجدہ کیا، میں آپ پر ایمان لایا اور میں نے اپنے آپ کو آپ کے سپرد کیا۔ میرا سر اس ذات کے سامنے سجدہ ریز ہوا، جس نے اسے پیدا کیا، اسے صورت بخشی، اور پھر اسے قوت سماعت و بینائی سے نوازا۔ اے اللہ! میرے چھوٹے بڑے، نئے پرانے اور ظاہری و باطنی گناہوں کو معاف فرمادے۔''

نماز اور عبادت کے علاوہ انسان اور کیا کرتا ہے؟ کھاتا پیتا ہے، اٹھتا بیٹھتا ہے، ہنستا روتا ہے، خوش اور غمزدہ ہوتا ہے، شادی کرتا ہے، صاحب اولاد بنتا ہے، نیا لباس پہنتا ہے سفر کے لئے نکلتا ہے اور واپس لوٹتا ہے، جہاد و قتال کرتا ہے اور پھر واپس لوٹتا ہے، کسی سے کوئی اچھی یا بری خبر سنتا ہے، کسی محبوب دوست سے ملتا ہے، بیمار اور صحتیاب ہوتا ہے، سوتا ہے اور اچھا یا برا خواب دیکھتا ہے۔ غرض انسان سیکڑوں کام کرتا ہے۔ ان میں سے ہر کام کے لئے رسول اللہ ﷺ مخصوص دعا مانگتے اور اپنے ہر کام اور اقدام پر دعا مانگ کر اللہ تعالی کی بندگی کا اظہار فرماتے۔

پھر کچھ حوادث انسان کے دائرہ اختیار سے خارج ہوتے ہیں اور براہ راست اس کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے۔ مثلاً قحط و خشک سالی، بارش کا نہ ہونا، آگ لگنا، سیلاب ہونا، لو کا چلنا، یا کسی وبا کا پھیلنا وغیرہ تمام حوادث

---

[1] مسلم، صلاۃ المسافرین۔ ابوداؤد، الصلوۃ ۱۱۹۔ الترمذی، الدعوات ۳۲۔ [2] مسلم، الصلاۃ ۲۰۲، ۲۰۳۔ صلاۃ المسافرین ۲۰۱۔ الترمذی، الدعوات ۳۲۔ [3] مسلم، الصلاۃ ۲۱۶، صلاۃ المسافرین ۲۰۱۔ الترمذی، الدعوات ۳۲۔ ابوداؤد، الصلوۃ ۱۱۹

اگرچہ براہ راست فرد سے متعلق نہیں ہوتے ،لیکن بالواسطہ طور پر اس پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے واقعات اور حوادث پیش آنے کی صورت میں بھی دعا کے ذریعہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔

جیسا کہ ہم نے اس فصل کے آغاز میں ذکر کیا، ہم نے یہ موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں نقل کرنے کے لئے نہیں چھیڑا، بلکہ ہمارا مقصود اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ کوئی شخص دعاؤں کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دعا میں گذارا۔بلاشبہ اس نتیجہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام دعاؤں سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد ہی پہنچا جاسکتا ہے۔ہم نے موضوع کا خاکہ پیش کرنے کے لئے یہاں صرف چند مثالیں ذکر کی ہیں جو اصل دعاؤں کا فی ہزارواں حصہ بھی نہیں ہیں، دوسرے لفظوں میں ان چند مثالوں کی وہی حیثیت ہے جو پانی کے چند رسنے والے قطروں کی کسی منہ زور چشمے پر دلالت کی ہوتی ہے، ہمارا ایمان اور یقین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضیلت کی ہر بات میں اتنی دور تک سبقت لے گئے ہیں کہ کسی کے لئے آپ کے قریب پہنچنا بھی ممکن نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اعلیٰ ترین مقام پر رہتے۔اس کتاب کے آغاز سے ہی ہم نے اس بات کو دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔اگر اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہے تو اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ہر عیب ونقصان سے پاک ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اور مصطفی تھے۔چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاد الٰہی کے ذریعہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ منور کرلیا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں کسی تاریک گوشہ کا پایا جانا ممکن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی دعا، آہ وزاری اور یاد الٰہی سے معمور تھی، اسی دعا اور گڑگڑاہٹ کے وسیلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن: ''امتی امتی'' پکاریں گے۔[1]

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق یہ موضوع ختم کرنے کا میرا دل بالکل نہیں چاہ رہا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے میں یوں محسوس کرتا ہوں گویا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ومعیت میں ہوں۔اس ماحول کو ختم کرنا آسان نہیں، لیکن چونکہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں، اس لئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بیسویں صدی کے (ایک) عظیم داعی کے الفاظ پر اس موضوع کو ختم کرتا ہوں:

''یہ منہ بولتی دلیل ایک روحانی شخصیت کی مالک ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی روحانی عظمت کی وجہ سے ساری روئے زمین مسجد بنادی گئی۔مکہ اس کا محراب ہے تو مدینہ اس کا ممبر۔وہ امام ہے اور تمام اہل ایمان اس کے پیچھے صف باندھے اس کے مقتدی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری انسانیت کے خطیب ہیں

[1] البخاری۔التوحید ۳۶۔مسلم، صلاۃ، الایمان ۳۲۶۔

اورسعادت کے حصول کے لئے انہیں دستورحیات بتاتے ہیں۔آپ ﷺ تمام انبیاء کرام کے سردار ہیں اورآپ کے دین کے ان کے ادیان کی بنیادی باتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے آپ ان کی تصدیق فرماتے ہیں۔آپ ﷺ تمام اولیاء کرام کے سردار ہیں اورنور رسالت کے ذریعہ انہیں ہدایت وتربیت دیتے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے کلمہ پر متفق اوراس کی گواہی دینے والے انبیاء،اخیاراورصدیقین وابرار پر مشتمل حلقۂ ذکر کے دائرے کے مرکزی قطب ہیں۔آپ ﷺ ایک ایسا نورانی درخت ہیں،جس کی مضبوط جڑیں آسمانی الہامات کے حامل انبیاء کرام اوراس کی تروتازہ شاخیں اورپھل اورالہامی علوم کے حامل اولیاء کرام ہیں۔آپ ﷺ کی ہر بات کی تمام انبیاء کرام اپنے معجزات اورتمام اولیاء کرام اپنی کرامات کی بنیاد پر گواہی دیتے ہیں۔آپ ﷺ کے ہر دعوے پر تمام کاملین کی مہر تصدیق ثبت ہے۔جب آپ ﷺ نے ''لاالٰہ الااللہ'' ارشادفرمایااورتوحید کادعوی کیاتوماضی ومستقبل کے چنیدہ اورنورانی حضرات یعنی حلقۂ ذکرکی صورت میں بیٹھے ہوئے انسانیت کے آفتاب وماہتاب،مسلک ومشرب کے تمام تراختلافات کے باوجودمتفقہ طور پر یہ بات کہنے اوردہرانے لگے،گویاوہ بیک زبان کہہ رہے ہیں:''آپ نے سچ اورحق بات کہی ہے۔''جس دعوے کی تائیدمعجزات وکرامات کی بنیاد پرقابل اعتمادسمجھے جانے والے بیشمارگواہوں کی گواہی سے ہوچکی ہو،اس کی صداقت میں معمولی سے بھی شک کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے؟

توحیدکااثبات اوراس کی طرف انسانیت کی رہنمائی کرنے والے اس نورانی حجت کی،جس طرح نبوت وولایت کی صورت میں اجماع وتواترسے تائیدہوتی ہے،اسی طرح تورات،انجیل اورزبورجیسی آسمانی کتابوں کی سیکڑوں بشارتیں بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ہزاروں تصدیق شدہ ارہاصات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے،مزیدبرآں شق قمر،آب کوثر کے مانندآپ کی انگلیوں سے پانی نکلنا،آپ کے بلانے پر درخت کا چل کرآنا آپ کی دعاپرفورابارش کاہونا،آپ کے تھوڑے سے کھانے سے خلق کثیر کا سیر ہونا اور گوہ،بھیڑئے،ہرن،اونٹ پتھروں کا آپ ﷺ سے ہم کلام ہوناوغیرہ جیسے ہزاروں معجزات جنھیں محقق راویوں اورمحدثین نے روایت کیاہے،اس کی تصدیق کرتے ہیں اورسعادت دارین کی ضامن شریعت مطہرہ بھی اس کی صداقت کی دلیل ہے۔

جس طرح آفاقی دلائل سے آپ کی تصدیق ہوتی ہے،اسی طرح مثل آفتاب آپ کی ذات خودآپ کی صداقت کی دلیل ہے،دوسرے لفظوں میں انفسی دلائل بھی آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔تمام اعلی درجے کے اخلاق حمیدہ کابالاتفاق آپ ﷺ کی شخصیت میں پایاجانا،آپ کی روحانی شخصیت کااپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں تمام اعلی صلاحیتوں اور پاکیزہ خصائل سے کام لینا،آپ کے سیرالی اللہ،کمال درجہ کی

سنجیدگی ومتانت ،قوت ایمانی اورقوت اطمینان کی شہادت کی بنیاد پرآپ کی حرکات کی قوت فکرمثل آفتاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق پر قائم رہنے اور حقیقت پر چلنے کی تصدیق کرتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ زمانی ومکانی حدود عقل کے فیصلوں پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔اگرآپ پسندکریں توآیئے چشم تصورسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ذمہ داریاں اداکرتے ہوئے دیکھنے کے لئے خیرالقرون اورنبوی سعادت کے زمانے کی طرف پلٹ کردیکھتے ہیں۔جب ہم اپنی آنکھیں کھولتے ہیں تواس مملکت کی سب سے پہلی چیز جوہمیں نظرآتی ہے وہ صورت وسیرت میں حسن بے مثال کا آئینہ دارانسان ہے،جس کے ہاتھ میں ایک معجزہ نما قابل احترام کتاب ہے،وہ اپنے جامع اور پرحکمت خطاب کے ذریعہ ازلی پیغام لوگوں تک پہنچارہاہےاوراسے نہ صرف جن وانس، بلکہ ساری کائنات کے سامنے پڑھ رہاہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگواورجستجوایک بہت ہی اہم معاملہ کے بارے میں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق عالم کے رازکی وضاحت کرتے ہیں،کائنات کی حکمت کے رازمیں پنہاں طلسم کودریافت کرتے ہیں اوران تین مشکل ترین سوالات کا جواب تلاش کرتے ہیں،جنھوں نے بڑے بڑے ذہنوں کوحیرت میں ڈال رکھاہے۔ہرکوئی ان تین سوالات کا جواب پانا چاہتاہے، وہ تین سوالات حسب ذیل ہیں:’’تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟اورکہاں جارہے ہو؟ ‘‘

جزیرہ نمائے عرب کے طول وعرض میں اٹھائے جانے والےآپ کے اقدامات اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ کوایک قدسی طاقت کی پشت پناہی حاصل تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختصرسے عرصہ میں صحرائے عرب کی غیرمہذب،اپنی عادات کے بارے میں متعصب اورعصبیت ولڑائی جھگڑے میں ضدی قوم کوتمام غیرمہذب اوربرے اخلاق سے پاک کرکے اعلی درجہ کے اخلاق حسنہ سے مزین کیااوردنیا بھرکی متمدن اقوام کامعلم بنادیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمرانی صرف ظاہر پرنہ تھی بلکہ آپ نے دلوں اورذہنوں کوفتح اورروحوں اورنفوس کو مسخرکیاجس کے نتیجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہردل عزیز،علمی وروحانی معلم اوردلوں کے حکمران بن گئے۔[1]

اے ہماری جانوں کے آقا!ہمارے دلوں پرآپ کی حکمرانی ہے۔ہم آپ کی خدمت میں اپنی جانوں کانذرانہ پیش کرتے ہیں اسے قبول فرمایئے۔

☆☆☆

---

[1] ۔الکلمات،،بدیع الزماں سعیدنورسی،ص ۲۵۵،۲۵۶۔